اُردو ذریعۂ تعلیم

اور

اِصطلاحات

آفتاب حسن

شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ
کراچی یونیورسٹی کراچی

اُردو ذریعۂ تعلیم

اور

اِصطلاحات

آفتاب حسن

شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ
کراچی یونیورسٹی کراچی

پہلی اشاعت ایک ہزار فروری ۱۹۶۵ع
دوسری اشاعت ایک ہزار مارچ ۱۹۶۵ع

قیمت ۱/۵۰ روپیہ

مطبوعہ ٹائمز پریس - صدر، کراچی

پیش لفظ

سائنٹیفک سوسائٹی ، پاکستان ، کی پانچویں سالانہ کانفرنس کے موقع پر جناب ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی صاحب ، صدر جوہری توانائی کمیشن ، نے اپنے خطبۂ صدارت میں جس کا عنوان تھا '' پاکستان میں سائنس کی جد و جہد ،، اس ملک میں سائنس کی موجودہ حالت پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا تھا ۔ اور منجملہ اور باتوں کے اردو ذریعۂ تعلیم سائنس اور اصطلاحات کے مسئلے پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا ۔

ڈاکٹرصاحب کے جوش اور ولولے سے کون واقف نہیں ۔ یہ زبان و بیان پر قدرت رکھتے ہیں اور اپنے خیالات کا دلیری سے اظہار کرتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تقریر موثر ہوجاتی ہے اور سننے والوں کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے ۔ چناں چہ اس تقریر کے ساتھ بھی یہی ہوا ۔ جہاں سامعین نے سائنس کی عمومی بدحالی کے متعلق مقرر کی رائے کو سراہا وہاں اس بدحالی کے علاج کے سلسلے میں اردو ذریعۂ تعلیم اور اصطلاحات پر جن خیالات کا اظہار فرمایا گیا تھا انہیں قبولیت کا درجہ عطا نہیں ہوا ۔

خصوصاً ان لوگوں نے اس سے اتفاق نہیں کیا جن کو اردو ذریعۂ تعلیم کا عملی تجربہ ہے اور جو اس کو درسیات میں برتتے اور آزماتے رہتے ہیں ۔

یہ خطبہ بعد میں ایک رسالے میں شائع ہوا اور ۱۹۶۴ع کی کل پاکستان سائنس کانفرنس ، منعقدہ لائل پور ، میں بھی اس کو دوبارہ چھپوا کر تقسیم کیا گیا ۔ اور اس کے بعد اپریل ۱۹۶۴ع میں وائس چانسلروں کی کانفرنس کے دوران ایک مذاکرے میں جناب میاں محمد افضل حسین صاحب نے بھی اس خطبے کی طرف اشارا فرمایا ۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ صرف جناب ڈاکٹر عثمانی صاحب کے خیالات ہیں تو یہ درست نہ ہوگا ، کیوں کہ اور بھی بہت سے با اثر ، بارسوخ حضرات اس قسم کی تجاویز وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہتے ہیں ۔ گویا اس کی حیثیت ایک منشور کی سی ہے جس کو محترم ڈاکٹر عثمانی صاحب نے اہل سائنس اور اہل زبان کے غورو فکر کے لیے پیش فرمایا ہے ۔

اب ان لوگوں کا جو اس رائے سے متفق نہیں ہیں فرض ہوجاتا ہے کہ اپنے نقطۂ نگاہ کی وضاحت کریں ۔

یہ رسالہ اسی مقصد کے تحت پیش کیا جارہا ہے ۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف !

ا ۔ ح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''اردو ذریعہٴ تعلیم ،، کا مسئلہ کوئی سوا سو سال سے زیر بحث ہے ۔ اور یہ کچھ عجیب زندہ و پائندہ اور سدا بہار مضمون ہے کہ لوگ اس پر بحث کرتے نہیں تھکتے ۔ اس طویل عرصے میں ہزاروں مذاکرے یا یوں کہئے کہ مناظرے ہوئے ، مخالفت اور موافقت میں سینکڑوں مقالے لکھے گئے، اردو زبان کو نظری اور عملی ہر طرح سے تولا گیا ، پرکھا گیا ۔ ہر جگہ اس نے اپنی بے پناہ صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ۔ ہر جگہ اس کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ———————— لیکن بحث جاری ہے ۔ ایک سلسلہٴ لامتناہی ہے جو ختم ہونے کو نہیں آتا ۔

اگر بحث کے ساتھ ساتھ کام بھی جاری رہتا تو چنداں فکر کی بات نہیں تھی ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس عظیم مسئلے کو ہم باتوں باتوں میں ٹالے جارہے ہیں ۔ عمل کی نوبت نہیں آتی ۔ جہاں آتی ہے وہ نیم مردہ اور بے کیف ۔

جب صورت حال یہ ہو تو پھر ''گویم مشکل وگر نہ گویم مشکل،، کی کیفیت ہے ۔ کچھ کہا جائے تو باتوں میں اضافہ ہوتا ہے ۔ نہ کہا جائے تو یہ مسئلہ اور بھی بے توجہی کا شکار ہوجاتا ہے ۔

اس بے توجہی اور بےحسی کا علاج اگر مذاکروں اور مباحثوں سے کچھ ہوسکے تو پھر انہیں ضرور جاری رہنا چاہئے ۔ اور ان میں کبھی کبھی تندی اور تلخی بھی پیدا ہوجائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے ۔

نوا را تلخ ترمی زن چوں ذوق نغمہ کم یابی

ذریعہٴ تعلیم

صاحبان علم واقف ہیں کہ ذریعہٴ تعلیم نہ صرف یہ کہ طلب علم میں سہولت یا عدم سہولت پیدا کرتا ہے بلکہ اس کا سب سے بڑا اثر

مقدار علم پر پڑتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ جب ایک طالب علم اپنا آدھا وقت ایک اجنبی زبان کی گتھیاں سلجھانے میں صرف کرے گا تو پھر باقی نصف اتنا نہیں رہ جاتا کہ جس میں انسان ضرورت بھر علم حاصل کرسکے ۔ اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے ۔ ہمارے لڑکے علم کی آخری منزل پر بھی ان مضامین کے مبادیات سے واقف نہیں ہوتے جن پر آج کل کی دنیا گویا گردش کررہی ہے ۔ اس دور جوہر میں ماہرین ریاضیات نے جو کمالات حاصل کئے ہیں اور صرف پنسل اور کاغذ کی مدد سے ایسی انقلاب آفریں دریافتیں کی ہیں کہ جن کی مثال پچھلے سو سال میں نہیں ملتی لیکن موجودہ حالت یہ ہے کہ ہمارا طالب علم ایم ۔ اے ۔ اور ایم ایس ۔ سی ۔ کرلینے کے بعد بھی ان ریاضیاتی مسائل کے قریب بھی نہیں پہنچتا چہ جائیکہ اس میں تحقیق کرے اور مہارت اور اجتہاد کا درجہ حاصل کرے ۔ جن خوش نصیب ملکوں میں اپنی زبان ذریعۂ تعلیم ہے وہاں اس کا موقع ہے کہ علم کی بڑی سے بڑی مقدار کم سے کم مدت میں حاصل کرلی جائے ۔

اب تک ہمارے ملک میں اس کا صحیح طور پر جائزہ ہی نہیں لیا گیا ہے کہ انگریزی ذریعۂ تعلیم کے سبب ہماری تعلیم کو کیا ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے ۔ ہمارا طالب علم آج کل صرف انگریزی سیکھنے میں لگا ہوا ہے ۔ وہ تاریخ کے ذریعے ، جغرافیہ کے ذریعے ، منطق کے ذریعے ، فلسفہ کے ذریعے اور جملہ علوم کے ذریعے انگریزی سیکھتا ہے ۔ لیکن خود ان علوم پر مہارت حاصل کرنے کے لیے اس کے پاس وقت نہیں بچتا ——————— پھر ان تمام کوششوں کا ماحصل کیا ہے ؟ جیسی ٹوٹی پھوٹی انگریزی حاصل ہوتی ہے وہ محتاج حان نہیں ——— غرض کہ علم حاصل نہیں ہوتا ، انگریزی بھی ہم سے دور ہی رہتی ہے ۔

جب اس طرف توجہہ دلائی جاتی ہے کہ خدارا کچھ کرو ، ملک کو انگریزی کے مفاد پر قربان نہ کرڈالو ، تو ہمارے ماہرین تعلیم اور بظاہر محبان وطن آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ " آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ٹھیک ہی ہے لیکن ہماری زبان میں اتنی کہاں

صلاحیت ہے کہ وہ ذریعۂ تعلیم بن سکے اور اس بار گراں کو اٹھاسکے۔،،
پھر پند اور نصائح کا ایک طومار شروع ہوجاتا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی میں چند سال گذرے کہ ایک رپورٹ ذریعۂ تعلیم کے متعلق پیش ہوئی تھی جس میں نہایت سنجیدگی سے تحریر ہوا تھا:
''مشکل اس وقت بڑھ جاتی ہے جب ہم یونیورسٹی کلاسوں میں فطری سائنسوں یا حد یہ کہ سماجی سائنسوں پر غور کرتے ہیں۔ مسٹر سراج الدین اور مسٹر تاج محمد خیال بجا ارشاد فرماتے ہیں کہ شعروادب کے لیے اردو بحیثیت زبان اظہار خیال کا ایک بہترین ذریعہ ہے لیکن اس کی نشوونما کا ابھی وہ دور نہیں آیا ہے جب زبان مجتمع سائنسی خیالات کے اظہار کے لائق ہوجاتی ہے۔ اردو کا سرگرم ترین وکیل بھی اس بیان کی تردید میں مشکل محسوس کرے گا۔،،

ظاہر ہے کہ ایسے ارشادات کی تردید کوئی کیا کرسکتا ہے!

لیکن یہ جو نہایت اطمینان کے ساتھ فتویٰ صادر فرمادیا جاتا ہے کہ اردو اس لائق نہیں ہے تو اس کی بنیاد کیا ہے؟ کیا تجربہ کیا گیا اور اردو ناکام رہی؟ کیا اردو اور انگریزی کے طلبا کو برابر کا موقع دیا گیا اور پھر زبان کی اہلیت یا صلاحیت کو پرکھا گیا؟ کتابوں کی تالیف میں ناکامی ہوئی؟ کیا ان اساتذہ سے تبادلۂ خیالات کیا گیا جن کو جامعۂ عثمانیہ اور جامعۂ کراچی میں تعلیم دینے اور ممتحن بننے کا موقع ملا ہے؟

اگر ان سب سوالات کا ایک جواب '' نہیں ،، ہے تو پھر خدارا یہ بتایا جائے کہ اتنے اہم علمی فیصلے پر کس طرح پہنچا گیا؟

کیا وہ لوگ، جن کو درس و تدریس کا تجربہ نہیں رہا ہے، جنہوں نے ساری عمر صرف انگریزی ہی کے ذریعے تعلیم و تفہیم حاصل کی ہے، جنہوں نے خود کبھی بھی اردو کو ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے عمل کرتے نہیں دیکھا ہے، جنہوں نے دھلی کالج اور اس کے شاندار تجربے کا نام بھی نہیں سنا، جنہوں نے جامعۂ عثمانیہ کو دور سے بھی نہیں دیکھا اور کراچی کے اردو کالج کو دیکھنا تو کجا ان کو یہ بھی نہیں معلوم کہ پاکستان کی کن یونیورسٹیوں نے اردو کو ذریعۂ تعلیم تسلیم کیا ہے

اور اس کے کیا نتائج ہوئے ، یہ حق رکھتے ہیں کہ ایسے اہم مسائل پر کوئی رائے دے سکیں ؟

لیکن ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ ایسے ہی اصحاب ان مسائل پر خیال آرائی ضروری سمجھتے ہیں ۔ اور انداز بیان کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ گویا اردو شاید آج ہی وجود میں آئی ہے اور پاکستان بننے کے بعد اس کا نام رکھا گیا ہے ———— ان بزرگوں کو شاید یہ معلوم نہیں کہ اس پورے برعظیم پاک و ہند میں اردو ہی واحد زبان ہے جو سوا سو سال سے ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے کامیابی کے ساتھ استعمال ہورہی ہے اور یہی ایک زبان ہے جو سرکاری اور دفتری ہر صورت میں استعمال کی جا چکی ہے ۔

سنہ ۱۸۴۰ ع بلکہ اس سے کچھ پہلے ہی سے اردو سائنس اور فنون دونوں کے لیے ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے استعمال ہورہی ہے ، اور اس لیے استعمال ہورہی ہے کہ تعلیم کے لیے اپنی زبان کے استعمال کی اہمیت کو ہمارے بزرگ اچھی طرح سمجھتے تھے ۔

سنہ ۱۸۴۰ ع کے لگ بھگ شاہ علی متوطن ادونی نے فلکیات کی مشہور کتاب چغمینی کی شرح لکھتے ہوئے لکھا تھا :—

”دانایان روزگار اور عاقلان تجربہ کار پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ جس قوم میں زبان مروج سے جو فن تحریر اور ترقیم پاتا ہے ہر طالب اس قوم سے نہایت آسانی سے اس فن کا فائدہ اٹھاتا ہے بلکہ بہ نسبت دوسری زبان کے کم مدت میں وہ فن حاصل اور اس میں کامل ہوتا ہے کیوں کہ جو مدت وہاں معرفت الفاظ میں جاتی ہے وہ تحصیل معانی میں کام آتی ہے ۔“

کاش کہ ہمارے آج کل کے ”دانایان روزگار“ اور ”عاقلان تجربہ کار“ ”معرفت الفاظ“ اور ”تحصیل معانی“ کے فرق کو سمجھتے !

مادری زبان یا مروج زبان ؟

شارح کی داد دینی پڑتی ہے کہ وہ ”مادری زبان“ نہیں بلکہ ”زبان مروج“ استعمال کرتا ہے ۔ وہ مادری زبان کے جھمیلے میں پڑنا نہیں چاہتا ۔ جس ملک میں بھانت بھانت کی بولیاں بولی جاتی ہوں ،

جہاں ایک نہیں بے شمار مادری زبانیں ہوں ، وہاں مادری زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی بحث اٹھانے کے معنی یہ ہوجاتے ہیں کہ کوئی زبان ذریعۂ تعلیم نہ بن سکے اور ادنیٰ اعلیٰ سب کو ایک ہی صف میں کھڑا کرلیا جائے ۔ اس لیے ہر ماہر تعلیم یہی مشورہ دیتا ہے کہ ذریعۂ تعلیم ایسی زبان ہونی چاہئے جو عام طور پر بولی اور سمجھی جائے ، جو آسانی سے استعمال ہوسکے ، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس میں ذریعۂ تعلیم بننے کی صلاحیت ہو ۔ ظاہر ہے کہ دنیا کی ساری مادری زبانیں تو ذریعۂ تعلیم نہیں بن سکتیں ۔

اس قدیم تحریر کے مقابلے میں محترم جناب ڈاکٹر عشرت حسین صاحب عثمانی کی جدید تحریر ملاحظہ ہو ۔ صاحب موصوف نے سائنٹفک سوسائٹی پاکستان کی پانچویں سالانہ کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں ارشاد فرمایا تھا :

''اول تو پاکستان میں اردو کسی علاقہ کی 'مادری' زبان نہیں ۔ یہاں تو مشرقی پاکستان کی ' مادری زبان ، بنگالی ہے اور مغربی پاکستان کی مادری زبانیں پشتو، پنجابی ، سندھی، اور بلوچی ہیں ۔ اردو تو صرف ان لوگوں کی مادری زبان ہے جو ہندوستان کے ایک خاص طبقے سے واسطہ رکھتے تھے اور جنہوں نے پاکستان میں آکر پناہ لی ہے ۔،،

مطلب یہ ہوا کہ چونکہ اردو پاکستان میں بیشتر لوگوں کی مادری زبان نہیں ہے اس لیے ذریعۂ تعلیم کیوں بنے ۔

مناسب یہ ہے کہ ذریعۂ تعلیم، مادری زبان اور مروج زبان کے متعلق سربراہ سائنسدانان پاکستان ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی ایف آر ایس کی رائے بھی سن لی جائے ۔

صاحب موصوف نے سائنٹفک سوسائٹی پاکستان کی دوسری سالانہ کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں ارشاد فرمایا تھا :

''سائنس اور فلسفہ کی ان دشوار گذار حسین منزلوں تک رسائی جہاں تخلیق و تکوین کے اجالے آنکھوں کو چکاچوند کر دیں ان برخورداروں کے بس کا روگ نہیں جن کا اپنے ادب اور اپنی تہذیب سے کوئی سروکار نہ ہو اور جن کی

تعلیم کا وسیلہ ایک مجرداً غیر متعلق زبان ہو۔

میں نے مادری زبان کے خیال کا یہاں قصداً حوالہ نہیں دیا کیونکہ ایک طرح سے مادری زبان کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ جتنی مائیں ہوتی ہیں اتنی ہی مادری زبانیں ہوتی ہیں۔ اور وہ دنیا میں کہیں ادبی تحریر و تقریر کی حامل نہیں ہوتیں۔ مثال کے طور پر اپنے ملک کی مادری زبان کو چھوڑئیے کیونکہ اس میں سینکڑوں بے بنیاد حجتیں اٹھ کھڑی ہو سکتی ہیں۔ جرمن زبان کو لیجئے۔ فرانک فرٹ، میونک، برلن اور سوئزرلینڈ میں مختلف جرمن بولیاں بولنے والوں کے لیے ایک دوسرے کو سمجھنے کا واحد ذریعہ ''ہوخ ڈوائش،، یعنی جرمن زبان کی اردوئے معلی ہے۔ کم و بیش یہی صورت دوسرے ملکوں میں دوسری زبانوں کی ہے۔ مثال کے طور پر چینی زبان کو لے لیجئیے۔ بڑی نادانی ہوگی یہ سمجھنا کہ چین کی ساٹھ کروڑ مخلوق جو لاکھوں میل کے رقبے میں آباد ہے اس کی مادری زبان وہ ہے جو تحریر و تقریر میں آتی ہے اور چین کی سیاسی اور ثقافتی یک جہتی کی ضامن ہے۔ میرے خیال میں بڑی وجہ اس کی یہ ہوئی کہ چین نے، جس نے کتنی کچھ ایجادیں کیں ہیں، اپنی زبان کے لیے حروف تہجی ایجاد نہیں کی۔ اور اگر آج بھی وہ حروف تصویری کے بجائے رومن ابجد اپنالیں تو کل بیشمار مقامی زبانیں چاوں چاوں کرتی اٹھ کھڑی ہوں۔،،

ڈاکٹر عثمانی بھی اردو کی بلند از علاقائی حیثیت اور ہمہ گیری سے ناواقف نہیں ہیں۔ فرماتے ہیں:

''جہاں تک اردو کا تعلق ہے وہ علاقائی زبان تو نہیں مگر قومی زبان ضرور ہے۔ اس لیے کہ اس کے بولنے سمجھنے اور لکھنے پڑھنے والے مغربی پاکستان کے ہر حصہ میں پائے جاتے ہیں (مشرق پاکستان میں بھی ان کی کمی نہیں ہے۔ راقم) اور ان میں سے بعض کی یہ 'مادری زبان' بھی ہے،، اس لیے مغربی

پاکستان میں. . . ''یونیورسیٹیوں میں بی - اے اور بی - ایس سی
تک پڑھانے اور سمجھانے کے لئے 'سادہ اردو، استعمال ہو۔،،

سادہ اردو اس لیے ضروری ہے کہ موجودہ اردو میں بہت کوتاہیاں اور بیشمار خامیاں ہیں ——ارشاد ہوتا ہے :

''——اردو کا ذخیرہ اتنا کم تھا کہ علامہ اقبال اپنے تخیلات کے ھجوم کی ترجمانی اردو میں نہیں کر سکے ، فارسی میں کی - یہی حال مرزا غالب کا بھی تھا اور کیوں نہ ھوتا؟ اردو کو پیدا ھوئے ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن تو ھوئے ھی ھیں - سوال یہ ہے کہ اس کو پختہ کیسے کیا جائے اور اس کی لغت میں کس طرح اضافہ ھو تاکہ واقعی یہ ایک زندہ قومی زبان بن جائے ۔،،

ھماری کیا مجال ہے کہ بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم، دیوان غالب اور عود ھندی کی طرف صاحب موصوف کی توجہ مبذول کرائیں اور ڈرتے ڈرتے یہ عرض کریں کہ اردو کو پیدا ھوئے جمعہ جمعہ آٹھ دن ھوئے ھوں لیکن علمی کام اس میں عرصے سے ھوتا چلا آرھا ہے ۔

اردو میں ذخیرے کی کمی کے علاوہ موصوف کے خیال میں زبردست خرابی یہ ہے کہ

''اس میں بہت سے حروف ایسے ھیں جن کی آواز ایک سی ہے اور جو الفاظ کے ھجے کرنے میں خواہ مخواہ خلش پیدا کرتے ھیں۔ مثلاً ث س اور ص کی آواز میں کوئی فرق نہیں اور پھر بھی تینوں استعمال میں آتے ھیں - اسی طرح ض ظ ذ اور ز، ت اور ط، ھ ح اور ، ی اور ے، بھی ھیں۔،، اس لیے اس کو زندہ قومی زبان بنانے کے لیے ''کیا ایسا نہیں ھو سکتا کہ سادہ اردو کا الفابیٹ نئے سر ے سے تیار ھو جائے اور اگر کوئی عربی یا فارسی کے الفاظ ایسے ھیں جن میں 'ض ، اور 'ذ، آتے ھوں تو ان کے ھجے اپنے بنائے ھوئے سادہ اردو کے نئے الفابیٹ کے مطابق کئے جائیں ؟،،

یہاں بھی ہماری یہ ہمت نہیں پڑتی کہ زبانوں کی سرتاج اور مشکل کشا انگریزی کے املا اور تلفظ کی صدھا بے قاعدگیوں کی طرف اشارہ کریں اور دبی زبان سے یہ پوچھیں کہ سرکار! جس زبان کا ڈھول پیٹا جا رہا ہے، جس کے تلفظ کے متعلق برنارڈشا نے کہا تھا کہ انگریزی کے مروج تلفظ کے لحاظ سے لفظ GHOTI (گھوٹی) کا تلفظ FISH (فش) ہو سکتا ہے، اس کے متعلق کچھ ارشاد کیوں نہیں ہوتا؟ لیکن اردو بیچاری تو اردو ہی ہے۔

اہل اردو کی تنگ نظری!

پھر اردو والوں کی تنگ نظری، ضد اور مشکل پسندی کا ذکر ہوتا ہے:

"ذرا غور کیجئے کہ یہ جملہ کتنا کٹھن ہے کہ 'اس کی تنگ نظری اور ضد کا جائزہ لے کر ذکر کیا جائے تب پتہ چلے'"—

(اس کا کون سا حصہ کٹھن ہے اب تک سمجھ میں نہیں آیا۔ راقم)

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

"اردو معلّی والے تو کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا لفظ یا اصطلاح جو اردو میں موجود نہ ہو تو فوراً فارسی یا عربی سے لیکر ٹھونس دیجئیے... بعض لوگ تو اس حد تک بھی جانے کو تیار ہیں کہ ہوائی جہاز کو طیارہ کہا جائے اور اڑنے کی بجائے لفظ پرواز استعمال ہو۔ غرض یہ کہ عربی اور فارسی کے الفاظ کتنے بھی ثقیل کیوں نہ ہوں اردو معلّی کی شان بڑھاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اردو زبان کو اردو معلّی کے حامی اور ترجمان عوام سے دور لئے جا رہے ہیں اور ان کی زبان کچھ اور ہی ہوتی جارہی ہے۔ انگریزی زبان سے تو ان علماء کو خاص چڑ ہے۔ ہاسپٹل کا ترجمہ شفاخانہ کر کے اس لفظ کو کچھ دن رواج میں لے آئے مگر عوام کی زبان پر

ہسپتال چڑھ گیا ۔ لائسنس کا ترجمہ اجازت نامہ سے کیا گیا مگر لوگ لیسنس ہی کہتے رہے ۔ سائیکل کو دو چرخی اور پیر گاڑی بنانے کی کوشش کی مگر منہ سے سائیکل ہی نکلا ۔ ہمیں تو یہ چاہئے کہ جس لفظ سے مطلب آسانی سے ادا ہو جائے اسے اردو میں جگہ دیں اور اپنا کام چلائیں ۔ ہمیں کیا پڑی ہے کہ عربی اور فارسی کی اوراق گردانی کرتے پھریں اور کسی یوروپین یا انگریزی زبان کے لفظوں پر خواہ مخواہ بندشیں لگائیں ۔،،

یہ اردوئے معلّی والے خطاکار اور گردن زدنی کون لوگ ہیں جو سائیکل کو دو چرخی کہنا چاہتے ہیں اور ''پرواز،، اور ''شفاخانہ،، اور ''اجازت نامہ،، جیسے الفاظ کو زبان سے خارج نہیں کر دیتے، ان کی نشان دہی نہیں فرمائی گئی ہے لیکن انہیں بتایا گیا ہے کہ آئندہ اردو کس طرح کی ہونی چاہیئے ۔

ساده اردو کے تین نمونے!

(۱) ' پہلے ذرا ایک تجارت پیشہ کی گفتگو کو غور سے سنئے :

''نہ چیف کنٹرولر (Chief Controller) کے دفتر سے اس شپنگ پیریڈ (Shipping Period) کے امپورٹ لائسنس (Import Licence) آئے نہ کامرس منسٹری (Commerce Ministry) سے اپیل (Appeal) کا جواب ۔ گو پبلک نوٹس (Public Notice) میں صاف لکھا تھا کہ ہر کیٹیگری ہولڈر (Category Holder) کو ریویوپیٹیشن (Review Petition) دینے کا حق حاصل ہوگا ۔ اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ کہیں سے بونس واؤچرز (Bonus Vouchers) خریدے جائیں مگر ان کا بھی کچھ ٹھیک نہیں ، آج اسٹاک ایکسچینج (Stock Exchange) پر بھاؤ اونچا تو کل نیچا ۔ پار ویلیو (Par Value) پر نہیں ملتے ۔ پھر یہ ہے کہ ایکسپورٹ بونس اسکیم (Export Bonus Scheme)

بھی بدلتی رہتی ہے - ہم نے تو سوچا ہے کہ کوئی چھوٹی موٹی انڈسٹری (Industry) ہی لگا لیں - سنا جاتا ہے کہ پاکستان کاؤنسل آف سائنٹیفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ (Pakistan Council of Scientific & Industrial Research) نے شارک لیور (Shark Liver) سے وٹامن اے (Vitamin A) نکال لیا ہے - اور پٹرول کی ریفائنری (Refinery) سے جو ویسٹ (Waste) نکلتا ہے اس سے بڑے عمدہ انسکٹی سائیڈز (Insecticides) بنائے ہیں اور کوشش ہے کہ سوئی گیس سے مختلف قسم کے پیٹرو کیمیکلز (Petro-chemicals) بھی بنائے جائیں - ان کے ڈائرکٹر صاحب (Director) سے مل کر اگر کسی پروسس (Process) کی پیٹنٹ (Patent) مل جائے تو ہم تو جو وہ فیس (Fees) یا رائلٹی (Royalty) مانگیں دے دیں - ،،

(۲) اب ایک گھریلو بول چال کا نمونہ ملاحظہ ہو :

” بجلی کا بل بھی ادا کردیا اور میٹر پر جو سیل لگی تھی وہ بھی سپروائزر (Supervisor) صاحب دوبارہ لگا گئے مگر خدا جانے کیا آفت ہے کہ ذرا ریفریجیٹر (Refrigerator) کو آن (On) کرو تو ایر کنڈیشنر (Air Conditioner) بند ہوجاتا ہے - ذرا لوڈ (Load) زیادہ پڑا نہیں کہ یا تو گھر کا فیوز (Fuse) اڑ گیا یا لائن (Line) کی لائن (Line) خراب ہوگئی - اصل میں وولٹیج (Voltage) میں اتنا اتار چڑھاؤ رہتا ہے کہ جب تک ریگولیٹر (Regulator) نہ لگاؤ بجلی کی کوئی چیز ٹھیک طرح نہیں چلتی - کل ریڈیو کا سوئچ (Switch) اور والو (Valve) دونوں خراب تھے اور ڈائل (Dial) کا انڈیکیٹر (Indicator) ھل رہا تھا - اب جب ہر چیز ٹھیک ہوکے آئی تو یکایک ایریل (Aerial) خراب ہوگیا - اب خبریں بھی نہیں سن سکتے - ،،

(۳) آخر میں سائنس کے کچھ طلبا کی آپس میں بات

چیت کے انداز کا بھی جائزہ لے لیجئے :

”بھئی سنا جاتا ہے کہ اٹامک انرجی کمیشن (Atomic Energy Commission) کےسائنس داں ایک اور راکٹ، (Rocket) چھوڑنے والے ہیں اور اب کی دفعہ پہلی اسٹیج (Stage) میں بجائے سوڈیم (Sodium) کے پے لوڈ (Pay Load) کے آئنو اسپھیر (Iono Sphere) میں الکٹران ڈنسٹی (Electron Density) ایک خاص پروب (Probe) سے ناپی جائے گی - راکٹ کی پوزیشن (Position) ریڈار (Radar) سے ٹریک (Track) کی جائے گی اور پروب (Probe) سے جو بھی سگنل (Signal) آئیں گے انہیں فوراً کمپیوٹر (Computor) سے انالائز (Analyse) کر لیا جائے گا - خدا کرے کامیابی ہو - ،،

ان ادبی شہ پاروں کے بعد ارشاد ہوتا ہے :

”اب اگر اردو معلّی والے ترجمہ کرنے بیٹھیں اور وہ آپ کو سنایا جائے تو شاید آپ کی سمجھ میں مطلب بھی نہ آئے اور آپ اپنی بے بسی پر رولیں گے یا لغو ترجموں کو سن کر ہنس پڑیں گے - وہ چاشنی اور روانی جو ان تینوں گفتگوؤں میں پائی جاتی ہے ختم ہوجائے گی -

میں تو کہوں گا کہ ان میں سے ہر گفتگو اردو میں ہوئی اور جو بھی انگریزی زبان کے الفاظ روانی سے منہ پر آتے چلے گئے وہ اردو کے ہو گئے اور اس کی لغت بڑھ گئی مگر اردو معلّی والوں میں اتنی فراخ دلی کہاں -،،

ہم نے امتحاناً آخری نمونے کو معمولی اردو میں درست نحوی ترتیب کے ساتھ لکھ کر دیکھا تو یہ شکل بنی :

”بھئی سنا جاتا ہے کہ جوہری توانائی کمیشن کے سائنس داں پھر ایک راکٹ چھوڑنے والے ہیں اور اب کی دفعہ رواں کرہ میں برقیاتی کثافت ناپنے کے لیے راکٹ کے پہلے درجے میں سوڈیم کی ضروری مقدار نہیں ڈالی جائے گی بلکہ اس کو ایک خاص تلاش گر سے ناپا

جائے گا۔ راکٹ کا مقام رے ڈار کے ذریعہ معلوم کیا جائے گا اور تلاش گر سے جو بھی اشارے آئیں گے ان کی حاسب کے ذریعہ فوری تشریح کی جائے گی۔ خدا کرے کامیابی ہو۔ ،،

اس کو پڑھنے کے بعد نہ تو رونا آیا نہ ہنسی آئی۔ بلکہ اس کے اصل کو دیکھ کر جو سر پیٹنے کو دل چاہتا تھا اس سے نجات ہوئی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ ''چاشنی اور روانی،، جو فٹ پاتھ اور میلوں ٹھیلوں اور بازاری یا ادنلی دفتری زبان میں ہوتی ہے وہ اس میں موجود نہیں ہے۔

ڈاکٹر عثمانی صاحب اردو والوں کی اس بے راہ‌روی کا سراغ لگاتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ ساری شرارت ان لوگوں کی ہے جن کو اپنی ثقافت اور اپنے تمدن پر ناز ہے۔ فرماتے ہیں :

> '' اردو کی ترقی کی جو انجمنیں یا ادارے ہیں ان میں پتہ نہیں تجارت پیشہ ، صنعت کار اور سائنٹسٹ کتنے ہیں مگر معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ سارے کرتا دھرتا وہی لوگ ہیں جو فارسی اور عربی کے پجاری ہیں اور جنہیں قوالیوں اور مشاعروں کی محفلوں سے ہی دل چسپی ہے۔ ،،

اب ہم جیسے معمولی آدمیوں کے لیے بڑی مشکل ہے کہ کس کو مانیں کس کو رد کریں۔

ادھر ڈاکٹر سلیم الزماں ان ''برخورداروں ،، کو، جن کا اپنی تہذیب و تمدن سے کوئی واسطہ نہ ہو اور جن کی تعلیم کا وسیلہ ایک غیر زبان ہو ، اس کا اہل ہی نہیں سمجھتے کہ ان کی رسائی سائنس اور فلسفہ کی ان دشوار گذار اور حسین منزلوں تک ہوسکے جہاں تخلیق اور تکوین کے اجالے آنکھوں کو چکا چوند کردیتے ہیں۔ ——————— اور ادھر ڈاکٹر عثمانی ان لوگوں کو، جو فارسی اور عربی کو ناپسند نہیں کرتے اور جنہیں قوالیوں اور مشاعروں کی محفلوں سے دل چسپی ہے ، سائنسی ترقی کی راہ میں رکاوٹ تصور فرماتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ آئنشٹائن کے بارے میں کیا خیال کیا جائے گا۔ وہ بھی موسیقی کا بے حد دلدادہ تھا اور اپنا کافی وقت بیلا بجانے میں صرف کرتا تھا۔

ڈاکٹر عثمانی ان دقیانوسی خیالات کے لوگوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ ’’ ان سے کوئی یہ کہے کہ بھائیو خدا کے لیے یہ تو مانو کہ عربی اور فارسی کو سائنس چھوڑے ہوئے ایک ہزار سال سے زیادہ ہوگیا اور جب یہ زبانیں عروج پر تھیں تو یورپ والے انہیں سیکھتے تھے - اب زمانہ اور ہے - ہم اگر ان زبانوں سے کچھ ادھار لے لیں تو کیا حرج ہے - ،،

یہی مشورہ اسرائیل قائم ہونے کے بعد یہودیوں کو ان کے ترقی پسند بھائیوں نے دیا تھا - ان میں جرمنی بولنے والوں کی تعداد زیادہ تھی - وہ بھی یہی کہتے تھے کہ بھائی یہودیو ، دو ہزار برس کی مردہ عبرانی کو کیوں زندہ کرتے ہو ؟ اس میں سائنس تو کیا آج کل کی سیاسی گفتگو بھی صحیح طریقے پر پیش نہیں کی جاسکتی - جرمن جیسی زندہ اور توانا زبان موجود ہے جو سائنسی خزانوں سے بھری پڑی ہے اس کو کیوں اختیار نہیں کرتے ؟ لیکن ناصح نصیحت کرتے رہے اسرائیل نے دو ہزار برس کی مردہ زبان کو زندہ کرکے دکھادیا -

دو اردو!

جناب ڈاکٹر عثمانی دو قسم کی اردو چاہتے ہیں - ایک ’’سادہ اردو ،، سائنس والوں کے لیے جس میں یوروپی الفاظ کی بھرمار ہو جس کے تین نمونے اوپر دئے گئے ہیں ، اور ایک اردو ئے معلی شاعروں اور ادیبوں کے لیے - فرماتے ہیں :

’’ اگر ایسا ہی ہوسکے کہ زبان اپنی رہے اور انگریزی کے وہ الفاظ جو مطلب کو زیادہ اچھی طرح ادا کرسکیں سادہ اردو میں شامل کرلئے جائیں تاکہ بولنے میں الگ آسانی اور پڑھنے پڑھانے میں الگ سہولت - ہم اپنی سادہ اردو کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالیں اور شعرا اور ادیب اردو معلی کو سراہا کریں - یہ حل آگے چل کر شاید ایسی منزل پر پہنچ جائے جو ابھی نظر نہیں آتی - مختصر یہ کہ ہم کو چاہیئے کہ سادہ اردو کے لیے ایک بورڈ بنائیں جس میں ہر طبقہ کے لوگوں کو شامل کیا جائے اور اس بورڈ کے سپرد یہ کام کیا جائے کہ اردو کے الفابیٹ (Alphabet) کو درست

کرے اور اردو کی جلد از جلد ڈکشنری بنائے جس میں ہر زبان سے وہ الفاظ بلا تکلف ایسے کے ایسے ہی لے لئے جائیں جن کے ترجمے آسان اردو میں نہ ہوسکتے ہوں اور سائنس، ٹکنالوجی (Technology) اور اکنامکس (Economics) جیسے مضمونوں کے الفاظ اور اصطلاحیں زیادہ تر انگریزی سے لی جائیں تا کہ کان ان سے آشنا ہوں ۔،،

یہاں بھی ڈاکٹر سلیم‌الزماں صدیقی کے خیالات سے استفادہ کرنا بے محل نہ ہوگا ۔

'' اب سے دس برس پیشتر تک (یہ سنہ ۱۹۲۸ ع کا مضمون ہے) ایسے جملوں کو بولنا فخر سمجھا جاتا تھا جیسے '' آج کل اپنی پوزیشن کا '' کیپ اپ ،، کرنا بہت '' ڈفی کلٹ ،، ہوگیا ہے ۔ اور لوگوں کا خیال تھا کہ اردو زبان ان خیالات نادرہ کی ادائیگی کی متحمل نہیں ہوسکتی ۔ آج ہم ایسے جملے بو لتے ہیں تو اس پر فخر نہیں کرتے بلکہ خود اپنی مجبوری اور ناقابلیت کے معترف اور اس پر نادم ہوتے ہیں ۔ لیکن آج تجرباتی علوم کی عبارت کا بھی ہم وہی حال کررہے ہیں ۔ ،،

اس کے بعد صاحب موصوف کیمیا کی ایک کتاب کی عبارت کا حوالہ دیتے ہوئے ، جس میں انگریزی الفاظ کا بہت زیادہ استعمال کیا گیا ہے ، فرماتے ہیں :

'' اور تحریر و کتابت کے اس معیار حسن پر جس کا عبارت کے اس نمونے میں اظہار ہورہا ہے ، ہماری علمی زبان کے قیام اور دوام کا دارمدار سمجھا جاتا ہے جس کے بغیر . . . . دعوی ہے کہ علم کی بین‌الاقوامیت کے ڈورے ہمارے ہاتھ سے جاتے رہیں گے اور دنیائے سائنس سے ہمارے تعلقات منقطع ہوجائیں گے ۔ میں اس عبارت اور کتابت کو آنکھوں اور کانوں دونوں کے احساسات کے لئے نقیص حسن سمجھتا ہوں اور اس طرز تحریر کو بین‌الاقوامی تعلق کی دلیل نہیں بلکہ اپنی غلامی کی سنگین یادگار تصور کرتا ہوں ۔ انگریزی کے علاوہ آنکھیں کھول کر اگر دوسری زبانوں میں ان ہی علوم کا مطالعہ کیا جائے تو ہم کو معلوم ہوگا کہ ہم اپنی زبان میں ایک بڑی حد تک سائنس کی عبارت اور کتابت کو اپناسکتے اور اس سے اجنبیت کو دور کرسکتے ہیں ، بغیر

اس کے کہ ہمارے بین الاقوامی علمی تعلقات کے منقطع ہونے کا ذرا بھی اندیشہ ہو۔ ہم کو جرمنی ، چک ، گریک ، روسی، جاپانی وغیرہ سے سبق لینا چاہئے اور حتی الامکان ان اصطلاحات اور ناموں کا ترجمہ کرلینا چاہئے جن کا دوسری قوموں نے بھی لاطینی سے اپنی زبان میں ترجمہ کرلیا ہے۔،،

''ایک درسی کتاب کی تالیف کا آغاز ،، نامی (۱۹۲۸ کے) مضمون میں صاحب موصوف فرماتے ہیں ''اب سے سات برس کا عرصہ ہوا جب میں نے جرمنی میں کیمیا پر لکچر سننے شروع کئے ۔ ہندوستان اور انگلستان میں رہ رہ کر خیال ہوتا تھا کہ دنیا میں کہیں بھی کیمسٹری پڑھائی جاتی ہوگی تو بالکل انگریزی ہی اصطلاحوں میں۔ لیکن جرمنی زبان میں بارہا لاطینی الفاظ کو اس خوبی کے ساتھ ٹھیٹھ جرمنی میں ادا کرلیا گیا ہے کہ سننے بولنے اور لکھنے میں ذرا گراں نہیں گذرا ۔ اور علمی زبان کی بین الاقوامیت بھی بہ حد ضرورت قائم رہتی ہے ۔ اسی زمانے میں میری یہ بڑی خواہش رہی کہ اس مثال کو پیش نظر رکھ کر تجرباتی علوم کو بھی اردو زبان میں اسی طرز ادا کیا جائے کہ مضمون میں ایک اپنائیت معلوم ہو ۔ اور مطالعہ کرنے والوں کو نہ تو اپنی علمی غلامی کا ہر لحظہ احساس کرنا پڑے اور نہ اس غلامی کی عادت ہوجائے ، کیوں کہ یہ دونوں باتیں از روئے نفسیات جدید تحقیقات کے سارے ولولوں کا خون کردینے والی ہیں ۔،،

ڈاکٹر صدیقی نے جو صائب رائے پیش فرمائی ہے اس کی مثال اردو کی جدید اور قدیم کتابوں میں کثرت سے ملتی ہیں ۔ حق یہ ہے کہ پرانے لوگوں کا یقین محکم تھا ۔ یہ ہم لوگ ہیں جو بدنصیبی سے بے یقینی کا شکار ہوگئے ہیں ۔

چغمینی کا ذکر ابتدا میں ہوچکا ہے اس کتاب سے ایک علمی بحث درج ذیل ہے :

استاد اور شاگرد میں بحث ہوتی ہے ۔ ملاحظہ فرمائیے :

'' یہ تو حضرت کی صاف بیانی سے معلوم ہوا لیکن جیسے ہندی میں پل صراط کا رستہ اور فارسی میں راہ کہکشاں بولتے ہیں اس کی بابتھ کچھ معلوم نہیں ہوئی ۔،،

استاد جواب دیتا ہے '' اس راستے کو اصل صناعۃ مجرہ اور دائرہ الیہ کہتے ہیں اس کی بابتھ کو ارسطو نے ابخرہ دخانیہ خیال کیا ہے ۔ یہ خیال اس کا صرف باطل ہے کیوں کہ اگر وہ ابخرہ دخانیہ ہوتا بالضرور کبھو تغیر اور تبدل پاتا اور مختلف نظر آتا حالانکہ قدم سے تا ایندم اس میں سرمو فرق نہیں پڑا ۔ بلکہ وہ مجموعہ کواکب صغار کا ہے اور یہ سب کثرت اتصال اور صغر کے ایک شیرازے پر نظر آتے ہیں ۔،،

دوسری جگہ شاگرد دریافت کرتا ہے '' حضرت، مرکز ثقل کس کو بولتے ہیں ؟،،

جواب ملتا ہے '' جس نقطے پر جسم ثقیل برابر تلے اور کسی جانب کو نہ جھکے تو اس نقطے کو مرکز ثقل بولتے ہیں ۔،،

'' حضرت، جس کرے کے اجزأ ثقل اور خفت میں متشابہ نہ ہوں تو کیا مرکز ثقل اس کا مرکز حجم پر منطبق نہ ہوگا ؟،،

'' البتہ نہ ہوگا ۔ کیونکہ جس کرے کا ایک نصف آہنی اور دوسرا چوبی ہوتا ہے اس کا مرکز حاق وسط میں ہوتا ہے اور مرکز ثقل نصف کرہ آہنی میں ہوتا ہے اور جب سطح مستوی مرکز ثقل سے گذرتی ہے تو کرے کے دو حصے برابر ثقل میں کرتی ہے ۔،،

ملاحظہ فرمایا آپ نے ؟ یہ آج کی نہیں ایک سو پچیس سال قبل کی اردو کتاب ہے ۔ کیا شارح کو کہکشاں کی توجیہہ یا مرکز جاذبہ کی وضاحت میں کسی قسم کی دقت یا خفیف سی بھی مشکل پیش آرہی ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو خاص سائنس ھی کے لیے بنی ہے ۔ یہاں تصنع اور آورد کا سوال ھی نہیں ہے ، آمد کا ایک دریا ہے جو امڈا چلا آتا ہے ۔

لیکن کیا حیرت کا مقام ہے کہ آج ھمیں یہ یقین دلانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ گو زمانہ ترقی کرتا رہا ہے لیکن اردو بہ حیثیت زبان تنزل کر رہی ہے ۔

کوئی اردو کا دردمند بن کر اس کی کم مائیگی پر آنسو بہاتا ہے ، مستقبل قریب میں اس کی ترقی کی پیش گوئی کرتا ہے لیکن بصورت موجودہ اس کو علم کے لائق نہ پاکر علم کو خطرے میں ڈالنا مناسب

نہیں سمجھتا — کوئی انگریزی سے الگ ہو جانے اور مہذب دنیا سے کٹ جانے کا اندوہناک منظر پیش کرتا ہے۔ اس آخری خطرے کا بار بار اعادہ کیا جاتا ہے اور اس جانی بوجھی غلط فہمی کو بطور خاص پھیلایا جاتا ہے۔

انگریزی کا مقام

جب کہا جاتا ہے کہ اردو کو ذریعۂ تعلیم بنایا جائے تو حامیان انگریزی واویلا شروع کرتے ہیں کہ ملک پر تباہی آنی ضروری ہے کیوں کہ علم کے سارے دروازے بند ہوجائیں گے۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انگریزی سے قطع تعلق کرلیا جائے، انگریزی لکھنا، انگریزی بولنا اور انگریزی سے فائدہ اٹھانا اپنے لیے حرام کرلیا جائے۔ حیرت ہوتی ہے جب یہ خیالات ایسے لوگ بھی پیش کرتے ہیں جن کو حالات سے باخبر ہونا چاہئے تھا۔

چند سال ہوئے پنجاب یونیورسٹی کو جناب پال ای گلوپس ٹگ نے مشورہ دیا تھا کہ ''سائنس کا علم تیزی سے ترقی کر گیا ہے اور انگریزی زبان میں سائنس اور ٹکنالوجی کے ہر شعبہ میں ہر وقت کتابیں تیار ہوتی رہتی ہیں۔ ہمارے طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ سائنس کی تمام ترقیوں سے واقف رہے۔ ان تمام چیزوں کا اردو ترجمہ ناممکن ہے اگر ترجمہ ہوا بھی تو جب تک ترجمہ شائع ہو کتابیں پرانی ہوجائیں گی اس لئے ان کو انگریزی میں پڑھنا لازمی ہے۔''

جناب ڈاکٹر عثمانی ارشاد فرماتے ہیں:

> ''باقی بچی انگریزی، تو وہ اب انگریزوں کی زبان نہیں بلکہ بین الاقوامی زبان بن چکی ہے . . . ہماری حکومت کی مشین بھی اسی ہی سے چلتی ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ساری دنیا کے سائنس داں اس سے واقف ہیں اور سائنس کا کوئی مضمون ایسا نہیں ہے جس پر آپ کو انگریزی زبان میں رسالے اور

کتابیں سینکڑوں کی تعداد میں نہ ملتے ہوں ۔ اس وجہ سے ہمیں انگریزی کو ایک خاص رتبہ دینا لازمی ہے ۔ ،،

مزید فرماتے ہیں

” غرض کہ جو کچھ تھوڑا بہت ہم سائنس کے بارے میں جانتے ہیں وہ انگریزی زبان کی بدولت ہے ۔ اس سے انکار کرنا اپنی آنکھوں پر پٹی باندھنا ہے ۔ ۔ ۔ ہمارا تعلق اس سے دو سو سال سے ہے ۔ ۔ ۔ سائنس کا لٹریچر انگریزی زبان میں ہے ۔ ۔ ۔ ہم اگر سائنس کی ترقی میں کوشاں ہیں تو انگریزی سیکھنے میں کوئی شرم نہیں ہونی چاہئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ،،

لیکن ان کا فیصلہ یہ ہے کہ ”اردو معلی والوں میں اتنی فراخدلی کہاں ،، اور یہ کہ ” انگریزی زبان سے تو ان علماء کو خاص چڑ ہے ۔ ،،

بہت عمدہ طریقہ ہے ۔ خود ہی فرد جرم قائم کی اور خود ہی فیصلہ فرمایا ۔ آخر وہ تنگ دل ہے کون جسے انگریزی زبان سے چڑھ ہے اور کسے شرم آتی ہے اور کس بدبخت نے انگریزی کی افادیت سے انکار کیا ہے ؟ ہم تو ہمیشہ سے اس کی اہمیت اور صلاحیت کے قائل رہے ہیں ۔ لیکن واضح طور پر یہ بھی بتادینا چاہتے ہیں کہ کسی زبان کا اہم ہونا ، مفید ہونا اور چیز ہے اور اس کا ذریعۂ تعلیم بننا اور چیز ہے ۔ انگریزی کو ذریعۂ تعلیم نہ رکھنا اس کی اہمیت کو کم کرنا نہیں ہے ۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اردو کو ذریعۂ تعلیم بنایا جائے تو ہمارا مطلب صرف یہی ہوتا ہے کہ اردو زبان کو ذریعۂ تعلیم بنایا جائے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ۔ اس سے انگریزی زبان کی نفی لازم نہیں آتی ۔

ہم تو چاہتے ہیں کہ انگریزی کی تعلیم اور بھی بہتر ہو ۔ انگریزی کو انگریزی کی طرح سیکھا جائے اور اتنا سیکھ لیا جائے کہ طالب علم انگریزی کتابیں ، رسالے ، تحقیقی مضامین آسانی سے پڑھ لے ، ان سے استفادہ حاصل کر سکے اور وقت ضرورت اپنے مضامین کو انگریزی میں سہولت کے ساتھ منتقل کر سکے ۔ جہاں کہیں بھی اردو کو انگریزی کی جگہ ذریعۂ تعلیم بنایا گیا ہے اسی اصول پر عمل ہوا ہے ۔ جامعۂ عثمانیہ میں ہر

طالب علم کے لیے انگریزی لازم تھی ، اور جامعۂ کراچی میں بھی انگریزی لازم ہے - یہی وجہ ہے کہ جامعۂ عثمانیہ کے لڑکے یورپ میں جہاں کہیں بھی گئے ان کو کبھی کوئی دقت پیش نہیں آئی - انہوں نے فنون اور علوم میں اعلی سے اعلی ڈگریاں حاصل کیں اور آج پاکستان میں بھی اس جامعہ کے سینکڑوں سپوت اعلی عہدوں پر فائز ہیں -

جب یہ بات واضح ہوگئی تو پھر وہ سارے وسوسے اور شبہے دور ہوجانے چاہئیں جو اردو کی مخالفت میں پیش کئے جاتے ہیں ، اور وہ اعتراض بھی بے وزن ہوجاتا ہے کہ تمام کتابوں کا ترجمہ مشکل ہے اس لیے ان کو انگریزی میں پڑھنا ہوگا - ضرور پڑھا جائے - کون منع کرتا ہے - لیکن صرف انگریزی ہی تک اپنے کو محدود کیوں کر لیا جائے؟ تمام دنیا کے تحقیقاتی مضامین انگریزی ہی میں تو شائع نہیں ہوتے - اب تو جرمن ، روسی اور ہسپانوی کے بغیر بھی چارہ نہیں -

یہ بیان (صفحہ ۳) کہ اردو بحیثیت زبان ابھی اس مقام کو نہیں پہنچی جہاں مسلسل اور مجتمع سائنسی خیالات کے اظہار کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے صرف وہی شخص دے سکتا ہے جو اردو زبان و ادب سے بالکل ناواقف ہو اور جس نے اردو علمی کتابوں کا مطالعہ کیا ہی نہ ہو - جو زبان فلسفہ اور مابعد الطبیعیات کو ادا کرنے کی پوری مہارت رکھتی ہو اس کے لیے سائنس کو برتنا جہاں جملے سیدھے اور واضح ہوتے ہیں کیا مشکل ہے -

سوا سو سال پہلے کی کتاب کا نمونہ ابتدا میں دیا جاچکا ہے - موجودہ زمانے کی مثال لینی ہو تو کتابوں کی فہرست ملاحظہ فرمائی جائے - سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو اردو کتابوں سے خالی ہو یا کم از کم جس پر ماہرین نے اردو زبان میں شستہ مضامین نہ لکھے ہوں - ''مسلسل اور مجتمع،، خیالات کو ادا کرنے کی صلاحیت اس زبان میں ہے یا نہیں اس کا اندازہ تو کتابوں کو دیکھ کر ہی ہو سکتا ہے -

اردو کا رسالہ ''جدید سائنس،، (پرانا نام ''سائنس،،) پچھلے ۳۷ سال سے اردو میں ہر قسم کے سائنسی مضامین شائع کرتا رہا ہے - اور اب تو متعدد سائنسی رسالے اردو میں نکلتے ہیں - ان کی جلدوں کو دیکھ کر بھی

اندازہ ہو سکتا ہے کہ متذکرہ بالا بیان کس درجہ ناواقفیت کا اظہار کرتا ہے۔ کوئی سمجھنا چاہے اور واقعات اور حالات کو صحیح صورت میں دیکھنا چاہے تو اس کے لیے بہت کچھ ہے۔ جو سمجھنا ہی نہ چاہے اس کا علاج تو کسی کے پاس نہیں ہے۔

لیکن بحمداللہ حقائق کی تیز رو کے سامنے اس قسم کے سارے خدشات اور شبہات خس و خاشاک کی طرح بہتے چلے جا رہے ہیں۔ اور قومی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کا رجحان ہر طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ یونیورسٹیاں اور تعلیمی ادارے اردو زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے سوال کو اصولاً تسلیم کر چکی ہیں۔ کراچی یونیورسٹی نے اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے پر عمل شروع کر دیا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی میں ابھی اس زبان کو ذریعۂ امتحان تسلیم کیا گیا ہے اور اب ذریعۂ تعلیم بنانے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ زرعی یونیورسٹی لائل پور نے بھی اسے شروع کر دیا ہے۔ اور سندھ یونیورسٹی میں بھی یہ سلسلہ شروع ہے۔ باقی یونیورسٹیاں بھی اس جرأت مندانہ اقدام کو بغور ملاحظہ فرما رہی ہیں۔ تھوڑی سی ہمت پیدا ہونے کی دیر ہے۔

مخالفت کیوں؟

ہر تحریک جو بنے بنائے نظام کے خلاف ہو اور تعمیرنو کی متمنی ہو آرام پسند طبقوں پر شاق گذرتی ہے۔ لازماً اس کی مخالفت ہوتی ہے۔ مخالفت عارضی ہوتی ہے یا دیرپا اس کا انحصار مخالف کی شخصیت اور ہمت پر ہوتا ہے۔ یہی کیفیت اس وقت اردو ذریعۂ تعلیم کی تحریک کی ہے۔ جتنے اس تحریک کے حامی اور پرستار ہیں غالباً اتنے ہی یا اس سے کچھ زیادہ ہی مخالفین ہوں گے۔ یہ مخالفین بھی دو گروہوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو قومی زبان کے عروج کو اپنے زوال کا مترادف تصور کرتے ہیں۔ یہ مغربی تہذیب، مغربی زبان اور غیروں کی معاشرت میں اس درجہ ڈوب گئے ہیں کہ وہ ہر قومی چیز کے رواج کو اپنے لیے خطرہ تصور کرتے ہیں۔ وہ دنیا کو اپنے رنگ

میں رنگنا چاہتے ہیں کسی اور رنگ کو قبول کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتے۔ ان کے سامنے مباحثہ مناظرہ بالکل بیکار ہے۔ انہیں کوئی قائل نہیں کر سکتا۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو لاعلمی کی بنا پر مخالفت کرتا ہے ورنہ اسے قلبی طور پر اس مسئلے سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ یہی گروہ ہے جو سن سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے اور اسی کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔

ہم نے اس مضمون میں ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی کے ارشادات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اس لیے نہیں کہ ہمیں طویل نویسی اور طویل بیانی میں لطف آتا ہے بلکہ اس لیے کہ صاحب موصوف اس گروہ کی نمائندگی کرتے ہیں جو سائنس سے بھی واقف ہے اور امور سلطنت میں دخل رکھتا ہے۔ وہ اپنی باتیں صفائی سے بے جھجک بیان کرتا ہے جس سے سننے والوں پر لازماً اثر ہوتا ہے۔ صاحب موصوف نے اس خطبے میں بہت کچھ کہا ہے۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ یا تو اس کی پیش کردہ تجاویز کو مانیں یا پھر انکار کا سبب بتائیں۔

صاحب موصوف نے اپنے خطبے میں دو چیزوں پر توجہ دلائی ہے ایک تو موجودہ صورت حال اور دوسرے اس کا علاج۔ جہاں تک علاج کا تعلق ہے انہیں حق حاصل ہے کہ جو نسخہ چاہیں تجویز کریں اور جو دوا چاہیں بتائیں لیکن موجودہ صورت حال کیا صورت حال ہے اس کے متعلق قطعی رائے تو وہی لوگ دے سکتے ہیں جو اس مسئلے سے عملی طور پر دو چار ہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ جو نتیجہ انہوں نے اخذ کیا ہے اس کی بنیاد درست نہ ہو اور وہ حقیقت سے دور ہو۔

جو صورت حال ہے وہ ہم سب دیکھ رہے ہیں۔ خاص کر وہ لوگ جن کا درس و تدریس سے تعلق ہے، تصنیف و تالیف کرتے رہتے ہیں، سائنس کی کتابیں لکھتے لکھاتے رہتے ہیں، رسالوں کا مطالعہ کرتے ہیں، اردو سائنسی رسالے شائع کرتے ہیں اور ان کی ادارت کرتے ہیں، انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ معاملہ بالکل مختلف ہے۔ صاحب موصوف نے بیچارے اردو والوں پر جو عنایات فرمائی ہیں وہ اس کے مستحق نہیں ہیں۔

صاحب موصوف کے خیالات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو حسب ذیل

باتیں سامنے آتی ھیں۔

۱۔ ویسے تو اردو میں تعلیم نہیں ہونی چاہئے اس واسطے کہ اردو کسی کی زبان نہیں ھے لیکن چوں کہ قومی زبان ھے اس لیے اگر تعلیم دینا ھی ھےتو صرف بی اے، بی ایس سی تک اس اردو میں دی جائے جس کا نام انہوں نے ''آسان اردو،، رکھا ھے۔

۲۔ اردو کا رسم الخط ناقابل التفات ھے، اس میں متشابہ الفاظ بہت سے ھیں۔ ان سب کو بدلا جائے اور نئی ابجد ایجاد کی جائے۔

۳۔ بازاروں میں، دکانوں میں، دفتروں میں پڑھے یا بے پڑھے لکھے لوگ یا عام کاروباری لوگ جو زبان بولیں اور جس طرح بولیں وھی اصل زبان ھے اور اسی کو اختیار کیا جائے۔

ان تین تجاویز کی کیفیت اور اس کا جائزہ پچھلے صفحات میں لیا جا چکا ھے جس سے ناظرین کو ان کی بھلائی برائی کا اندازہ ھو گیا ھوگا۔ اس پر مزید بحث ضروری نہیں ھے۔ ھاں اصطلاحات کے بارے میں جو رائے صاحب موصوف کی ھے وہ غور طلب ھے۔ اس پر گفتگو ضروری ھے۔

''تیسری بات جس کو میں صاف طور سے پھر ایک بار واضح کرنا چاھتا ھوں وہ یہ ھے کہ سائنس، انجینئیرنگ اور ڈاکٹری جیسے ٹکنیکل (Technical) مضامین استاد سمجھائیں سادہ اردو یا سادہ بنگالی میں، مگر ساری ٹکنیکل Technical اصطلاحیں انگریزی کی ھوں، کیمسٹری کے سارے فارمولے انگریزی میں لکھے جائیں، کسی کیمیکل کا نام نہ بدلا جائے۔ الجبرا ٹرگنامیٹری اور اسٹیٹکس اور ڈائنامیکس کے اکوئیشنز اور سمبلز وغیرہ ایسے کے ایسے ھی رھیں۔ صرف عبارت سادہ اردو یا بنگالی میں ھو۔ اپنی زبانوں میں سائنس کی تعلیم کا مقصد یہ ھونا چاھئے کہ طلبا مشکل سے مشکل مضمون آسانی سے سمجھ جائیں اور اپنے ملک میں جن لوگوں سے زندگی میں واسطہ پڑے ان کو آسانی سے سمجھا سکیں۔ ساتھ ساتھ چونکہ انگریزی کی ساری اصطلاحیں اپنی زبان میں ایسی کی ایسی ھی منہ پر آجائیں گی اور طلبا ان سے واقف ھوں گے باھر جا کر ان کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے

یا ریسرچ کرنے میں خاص مشکل پیش نہیں آئے گی ۔ میں اگلے دن ایک جاپانی ریسرچ کا پرچہ دیکھ رہا تھا یقین جانئیے اس میں اتنے فارمولے ایکوئیشنز اور سمبلز انگریزی میں دئے ہوئے تھے کہ گو میں جاپانی زبان بالکل ہی نہیں جانتا مگر یہ ضرور سمجھ میں آ گیا کہ ریسرچ کس چیز پر ہو رہی تھی ۔ سائنس ایک بین الاقوامی چیز ہے ۔ اس کو اچھی طرح جاننے کے لئے بین الاقوامی کانفرنسوں اور سمیناروں میں حصہ لینا ضروری ہے ۔ اس کے لئے لازم ہے کہ ہم ساری اصطلاحوں کے ترجموں سے نہیں بلکہ انگریزی زبان میں وہ جیسی کی جیسی ہیں ان سے واقف رہیں ۔ ہم کو تو خدا جانے کیا ہوگیا ہے کہ عربی کے ثقیل اور فرسودہ الفاظ تو اپنی زبان میں لینے کے لئے تیار ہیں مگر عربی کے ہندسے جو تمام دنیا نے تسلیم کرلئے یعنی 1,2,3,..10 وہ چھوڑ کر فارسی کے ہندسے ۱,۲,۳,۰۰۱۰ اختیار کر لئے ہیں ۔ ذرا سوچئے تو سہی کہ صفر کو ایک نقطہ بنا دیا ہے اور اعشاریہ کو ء ۔ نتیجہ یہ ہے کہ بچوں کی ریاضی کی تعلیم کی بنیادیں شروع ہی سے غلط ڈالی جا رہی ہیں،،۔

مختصر الفاظ میں یوں کہئیے کہ

(۱) اصطلاحات کا ترجمہ بالکل نہ کیا جائے بلکہ انگریزی کی تمام فنی اصطلاحیں جیسی ہیں ویسی ہی رہنے دی جائیں ۔

(۲) ہندسے لاطینی حروف میں لکھے جائیں ۔ ایسا کرنے سے ہم غیر زبانوں کے رسالوں اور کتابوں کے منشا کو سمجھنے لگیں گے اور غیر ملکی کانفرنسوں اور سمیناروں میں اجنبیت محسوس نہیں کریں گے ۔

یہ ایک دلچسپ موضوع بحث ہے ۔اس پر بعد میں ہم کچھ عرض کر سکیں گے ۔

سردست اصطلاحات کے مسئلے کو لیجئیے ۔ لیکن ابتدا ہی میں یہ یاد دھانی ضروری ہے کہ اردو کوئی نئی زبان نہیں ہے اور پاکستان بننے

کے بعد وجود میں نہیں آئی ہے۔ اور ذریعۂ تعلیم اور اصطلاحات کی بحث بھی کوئی نئی بحث نہیں ہے۔ یہ تو جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا جاچکا ہے کوئی ۱۲۵ سال پرانا مسئلہ ہے۔ محترم ڈاکٹر عثمانی نے جو تجویز پیش فرمائی ہے وہ بھی کوئی نئی تجویز نہیں ہے۔ پچھلے سوا سو سالوں میں مختلف اصحاب اس قسم کی تجاویز پیش کرتے رہے ہیں اور کافی غور و فکر کے بعد ماہرین علم و زبان اس کو ناموزوں قرار دے چکے ہیں۔ اردو کو فخر ہے کہ اس اہم مسئلے پر برعظیم پاک و ہند کے ایسے اعلیٰ دماغوں نے غور و فکر کیا ہے کہ جس کی مثال دوسری زبانوں میں نہیں ملتی۔

پچھلی صدی کے وسط سے یہ کام شروع ہوا اور آج تک جاری ہے۔ اس عرصے میں کم از کم ڈیڑھ لاکھ اصطلاحیں تیار یا ترجمہ ہوئی ہیں۔ سائنسی علوم کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں ضروری اور کارآمد اصطلاحوں کا ترجمہ نہ ہوا ہو۔ مثلاً یہ کہ ڈاکٹر عثمانی نے اپنے خطبے میں بے شمار انگریزی الفاظ شاید یہ سمجھ کر استعمال کئے ہیں کہ اردو میں ان کے لیے کوئی لفظ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ان کو معلوم نہ ہو کہ ٹریگنامیٹری کو علم مثلث، اسٹیٹکس کو سکونیات، ڈائنمکس کو حرکیات، اکوئیشن کو مساوات اور سمبل کو علامت کہتے ہیں وغیرہ، وغیرہ۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کو یہ نہ معلوم ہو کہ الفابیٹ کو الف بے، ابجد یا حروف تہجی کہتے ہیں۔ پھر بھی لفظ الفابیٹ کا بار بار استعمال یہی ثابت کرتا ہے کہ صاحب موصوف ہماری موجودہ زبان اور اس کی رائج اصطلاحوں سے بھی متفق نہیں ہیں۔

بہر حال یہ بحث طلب مسئلہ ہے اور ضروری ہے کہ اس کا بغور مطالعہ کیا جائے۔

اصطلاحات

ذریعۂ تعلیم کا مسئلہ دراصل اصطلاحات کا مسئلہ ہے۔ معمولی جملوں کو اپنی زبان میں ادا کرنے میں تو کسی کو کبھی دقت نہیں

ہوتی ۔ دقت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب مختلف علوم مختلف الفاظ کو اپنے خاص معنی میں استعمال کرتے ہیں اور ایک بظاہر سادہ لفظ سے بہت بڑے معنی پیدا کرلیتے ہیں ۔

اصطلاح نام ہی اس مختصر لفظ کا ہے جو طویل جملے کی جگہ لے لیتا ہے اور علوم میں نہایت مفید مختصر بیانی پیدا کر دیتا ہے ۔ جن زبانوں میں علوم کا چرچا ہے ان میں اصطلاحات فروغ علم کے ساتھ وجود میں آتی رہتی ہیں اور بڑی آسانی سے جزو زبان بن جاتی ہیں ۔ کامیاب وہی زبانیں رہتی ہیں جن میں نئے الفاظ بنانے اور غیر زبانوں سے اپنے مزاج کے الفاظ اخذ کرلینے کی اعلی صلاحیت موجود ہے ۔ اردو بحمداللہ اس شرط پر پوری اترتی ہے ۔

اس کا دعوی تو کوئی زبان نہیں کر سکتی کہ اس میں سارے علوم کے سارے الفاظ اور ساری اصطلاحیں موجود ہیں ، کیوں کہ ایسا دعوی دراصل اس بات کا اعلان ہوگا کہ اس زبان میں علوم و فنون ساکت اور جامد بن گئے ہیں ۔ ان میں نمو کی صلاحیت باقی نہیں رہی ۔ ان میں جو کچھ ہونا تھا ہو چکا ۔ جو الفاظ بننے تھے بن چکے ۔

زندہ علوم کی تو یہ کیفیت ہے کہ یہ نت نئے انداز سے بڑھتے اور پھیلتے رہتے ہیں ۔ ان میں وقت کے ساتھ نئی نئی باتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور نئے نئے تجربے ہوتے رہتے ہیں جن کے ساتھ ساتھ نئے الفاظ اور نئی اصطلاحیں بھی وجود میں آتی رہتی ہیں ۔ جس زبان کو بھی زندہ زبان ہونے کا دعوی ہے اس کو زندہ علوم کے ساتھ ساتھ چلنا ہوگا اور ضرورت کے نئے الفاظ اور اصطلاحوں کو وضع کرتے جانا ہوگا ۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے ۔ یہاں جمود سم قاتل کی حیثیت رکھتا ہے ۔

اردو کے لیے بھی یہ دعوی نہیں کیا جاتا کہ اس میں سب کچھ موجود ہے ۔ کہا صرف یہ جاتا ہے کہ اس میں تعلیمی، درسی، دفتری اور انتظامی ضروریات کی بیشتر اصطلاحیں موجود ہیں ۔ جو نہیں ہیں وہ بنتی اور بنائی جارہی ہیں ۔

اردو میں اصطلاح سازی کوئی نئی چیز نہیں ہے ۔ آج سے کوئی سوا سو سال پہلے یہ کام شروع ہوا تھا ۔ سب سے پہلے دہلی

کالج والوں نے وضع اصطلاحات کے اصول مرتب کئے - کسے یقین آئے گا کہ جس زمانہ میں غالب اور ذوق کے معرکے چل رہے تھے اور خود بادشاہ وقت اس جھگڑے میں شدید دلچسپی لے رہا تھا دلی میں بظاہر شعر و سخن کے اور کچھ نہ تھا ، خود اس شہر میں غالب اور ذوق کے جاننے والے سائنس کے لیے وضع اصطلاحات کے اصول مرتب کر رہے تھے ، سائنس کی کتابیں ترجمہ کر رہے تھے ، اور سائنس کے سبق اردو میں پڑھا رہے تھے - اور صرف دھلی میں ھی نہیں بلکہ دھلی سے ہزار میل دور جنوب کی طرف حیدرآباد میں بھی یہی چرچے تھے - شعر و سخن کے ساتھ ساتھ توسیع علم کی طرف بھی پوری توجہ تھی اور اس کام کے لیے اس زبان کو منتخب کیا گیا تھا جسے آج ہم ''اردو،، کہتے ھیں -

غدر سے بیس بائیس سال پہلے حیدرآباد کے ایک علم دوست رئیس امیر کبیر نواب شمس الامرا محمد فخرالدین خان بہادر کو خیال پیدا ہوا کہ سائنس کی انگریزی کتابوں کو اردو میں ترجمہ کرکے شائع کیا جائے - چنانچہ اس کام کے لیے ریونڈ چارلس کے چند رسالوں کو منتخب کیا گیا جو ۱۸۱۸ع میں لندن میں طبع ہوئے تھے - ترجمے کا کام میر امان دھلوی، غلام محی الدین حیدرآبادی، مسٹر جونس اور موسیوتندوسی کے سپرد ھوا - اور ۱۸۳۹ع اور ۱۸۴۰ع میں چھ رسالے علم جرثقیل ، علم آب و ھوا، علم مناظر اور علم برق و مقناطیس کے عنوان سے شائع ھوئے - اصل کتاب کی طرح ترجمے میں بھی سوال و جواب کا پیرایہ اختیار کیا گیا تاکہ مبتدیوں کو سمجھنے میں دقت نہ ھو - مزید سہولت کے لیے نقشے دئے گئے تھے - ان رسالوں کی زبان صاف اور سلیس ھے - اصطلاحات کے لیے عربی اور فارسی کے مروجہ الفاظ استعمال کئے گئے ھیں - اور جہاں ایسے الفاظ نہ مل سکے وھاں اصل انگریزی الفاظ ھی کو برقرار رکھا گیا ھے -

نواب کے سائنسی ذوق کا اندازہ اس سے ھوگا کہ انہوں نے ذاتی مشاھدے کے لیے دوربینیں خریدیں - انھی دوربینوں سے آگے چل کر رصدگاہ نظامیہ کی بنیاد ڈالی گئی - نواب کے شوق کا اثر یہ ھوا کہ دوسرے لوگوں نے کتابیں ترجمہ کرنی اور لکھنی شروع کیں - چنانچہ ھیئت کی مشہور کتاب چغمینی کی شرح اردو زبان میں شرح چغمینی کے نام سے

کی گئی ۔ اس کو نواب شمس الامرا کے نام سے معنون کیا گیا ۔ اس شرح میں سلاست زبان کا جیسا خیال رکھا گیا وہ اس نمونے سے ظاہر ہے جو اس مضمون کی ابتدا میں دیا گیا ہے ۔

ترجمے اور شرح سے ایک قدم آگے بڑھا تو تالیف کا خیال پیدا ہوا ۔ چنانچہ عالم باپ کے فاضل فرزند نواب عمدة الملک محمد رفیع الدین خان بہادر نے فارسی زبان میں ایک کتاب ''رفیع البصر،، کے نام سے لکھی ۔ یہ ''نوریات،، پر ایک مبسوط کتاب تھی جس کا خلاصہ اردو میں رتن لال نے ''منتخب البصر،، کے نام سے کیا ۔ یہ کتاب ۱۸۴۱ع میں شائع ہوئی ۔ یہ کتاب بھی سوال و جواب کے پیرائے میں ہے ۔ اس میں بہت سے نقشے اور اشکال ہیں اور بہت سی اصطلاحیں جمع کی گئی ہیں ۔

دهلی کالج

حیدرآباد میں ترجمے شروع ہوگئے اور تالیف کی طرف بھی توجہ ہوئی لیکن سائنس کا صحیح ترجمہ بغیر اصطلاحوں کے ممکن نہ تھا ۔ اس لیے ضرورت اصطلاحوں کو وضع کرنے کی اور اس کے لیے ضروری اصول بنانے کی تھی ۔ خوش قسمتی سے یہ کام اس زمانے میں بڑے پیمانے پر دهلی میں ہو رہا تھا ۔ اس وقت دهلی کالج پورے ہندوستان میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا تھا ، اس لیے کہ یہی ایک ادارہ تھا جس میں تمام جدید علوم مثلاً جغرافیہ ، فلسفہ ، فطرت ، ریاضیات ، معاشیات ، قانون، طبعیات اور کیمیا وغیرہ وغیرہ کی تعلیم اردو زبان میں دی جارهی تھی اور صرف یہی نہیں کہ منتظمین کالج نے ایک ہمت اور دلیری کا کام کیا تھا بلکہ عملی طور پر ثابت کر دیا تھا کہ یہی طریقہ صحیح ہے ۔ چنانچہ حکومت اور ماهران تعلیم کی رپورٹیں اس کی شاهد ہیں ۔ مثلاً رپورٹ ۱۸۵۳-۵۴ع پر جو رزولیوشن ہے اس میں درج ہے :

''اردو کے ذریعے دهلی کالج میں جو سائنس کی تعلیم دی جاتی ہے اس کی مسٹر مواٹ نے بہت تعریف کی ہے ۔ ہزاکسیلنسی ایسی تعلیم کی جو اس ذریعے سے دی جاتی ہے اور خاص کر سائنس کی تعلیم کی بہت قدر کرتے

ھیں۔،، یہ مسٹر مواٹ، فیریڈرک جان مواٹ ایم ڈی، ایل ایل بی، فرسٹ فزیشن میڈیکل کالج کلکتہ اور سکریٹری کونسل آف ایجوکیشن بنگال تھے۔

اس سے قبل مسٹر کارگل پرنسپل نے سنہ ۱۸۵۲ع کی رپورٹ میں درج کیا تھا کہ ''مشرق شعبے کا طالب علم اپنے مغربی شعبے والے حریف سے سائنس میں کہیں بڑھا ہوا ھے۔،،

اس کے بعد پرنسپل نے لکھا ھے کہ اگر نصاب کی بہتر کتابیں ہوتیں تو ان کا علم اور بھی بہتر ہوتا۔ ثبوت میں وہ چند ماہران تعلیم کی رائے پیش کرتے ھیں کہ جنہوں نے کالج کا معائنہ کیا تھا اور طلبا کا امتحان علم ہیئت اور جنرل سائنس میں لے کر یہ رائے دی تھی کہ اس شعبے میں قطعی طور پر بہت ترقی پائی جاتی ھے اور تمام ہندوستان میں ایسی ترقی کے آثار کبھی نظر نہیں آئے۔

اس پر لفٹنٹ گورنر نے لکھا تھا کہ ''طلبا (شعبۂ مشرق) کی سائنس کی ترقی کے متعلق جو یقین دلایا گیا ھے اس سے بیحد مسرت ہوئی۔،،

کام کی ابتدا اس طرح کی گئی کہ استاد انگریزی کتابوں کو لے کر پڑھاتے تھے لیکن لکچر اردو میں ہوتا تھا اور کلاس کے نوٹ اردو میں لکھائے جاتے تھے۔ پھر جیسے جیسے کتابیں مہیا ہوتی گئیں ان ھی کتابوں کو استعمال کیا جانے لگا۔

اصول وضع اصطلاحات

وضع اصطلاحات پر غور کرنے والے سب سے پہلے دھلی کالج والے تھے۔ کالج کی مجلس ترجمہ نے اس کے لیے چند مفید اصول بنائے۔ مثلاً یہ کہ

(۱) جب سائنس کے کسی ایسے لفظ کا مترادف اردو میں موجود نہ ہو جو سادہ خیال ظاہر کرتا ہو مثلاً سوڈیم، پوٹاشیم وغیرہ تو بجنسہ اردو میں لے لیا جائے۔ اردو میں ہم معنی لفظ موجود ہو تو اردو لفظ استعمال کیا جائے۔ مثلاً آئرن کے لیے لوھا، سلفر کے لیے گندھک۔

(۲) اگر لفظ مرکب ھے اور اردو میں اس کا کوئی ہم معنی لفظ

موجود نہیں لیکن مرکب کے اجزا کے لیے الفاظ ہیں تو ان الفاظ کو ملا کر اصطلاح بنالی جائے مثلاً انگریزی لفظ (Chronology) کے لیے علم زماں ۔ اس کا امکان نہ ہو تو غیر زبان کا لفظ اردو میں لے لیا جائے ۔ حیاتیات کی اصطلاحوں کے متعلق کہا گیا کہ

(۳) آرڈر (Order) جینس (Genus) اسپیسیز (Species) کے مترادف اگرچہ اردو میں کسی نہ کسی شکل میں پائے جاتے ہیں تاہم انگریزی الفاظ اردو میں منتقل کرلیے جائیں اس لیے کہ اردو میں اس قسم کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف ہوتے ہیں اور اصل مفہوم سمجھنے میں مغالطہ ہونے کا امکان ہے ۔ یہ بھی تجویز کیا گیا کہ درختوں کے انواع یا خاندانوں کے نام یا تو اس نوع کے خاندان کے کسی ممتاز فرد کے نام پر رکھے جاتے ہیں یا نوع کے بعض مشترکہ خواص کی بنا پر ۔ اس قاعدے کی پابندی اردو میں بھی کی جائے ۔

کیمیا کے متعلق رائے دی گئی کہ تمام انگریزی اصطلاحی نام بجنسہ اردو میں لے لئے جائیں البتہ جن کیمیائی عناصر کے نام اردو میں موجود ہیں وہ ویسے ہی رہیں ۔ لیکن مرکبات کے انگریزی نام اردو میں لے لئے جائیں ۔

جن حضرات کو ترجمہ اور وضع اصطلاحات سے کچھ بھی دل چسپی ہے انہوں نے محسوس کیا ہوگا کہ دہلی کالج والوں نے جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا اس کے وہ اہل بھی تھے ۔ وہ اس مسئلے کی باریکیوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور جو اصول و قواعد انہوں نے اس زمانے کے لیے وضع کئے تھے خوب تھے ۔ ان میں سے بعض پر آج بھی عمل ہورہا ہے ۔ چنانچہ کیمیا کے لیے جو اصول انہوں نے طے کیا تھا آج سو سال بعد بھی تقریباً اسی پر عمل ہورہا ہے ۔

مترجمین کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ لفظ بہ لفظ ترجمہ کرنے کی کوشش نہ کریں ، اصل مقصد صحیح مفہوم کو ادا کرنا ہے ۔ خواہ ترجمے میں جملے کی ساخت کیسی ہی کیوں نہ بدل جائے ۔

کالج کی مجلس ترجمہ نے تقریباً ڈیڑھ سو کتابوں کا ترجمہ کیا جس میں سے ۱۰ کتابیں ریاضیات ، فلکیات ، کیمیا ، جغرافیہ ، معاشیات ، طبعیات

فلسفہ ، طب ، معدنیات اور زراعت کی مختلف شاخوں پر ہیں ۔

غدر کے ساتھ ساتھ علم کا یہ درخشاں چراغ بجھ گیا ۔ اگر یہ قائم رہتا تو اردو کی پہلی یونیورسٹی ہوتا اور یہ زبان ترقی کے معلوم نہیں کن کن منازل کو طے کئے ہوتی ۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ کام شمال میں دھلی تک ہی محدود تھا دھلی کالج ھی کے زمانے میں ایک مفید سلسلہ لکھنؤ میں شروع ھوا تھا ۔ یہاں لکھنؤ رصد گاہ کے ایک کارکن مولوی کمال الدین نے رصدگاہ کے ناظم کرنل ولکاک کی نگرانی میں کوئی بارہ رسالوں کا ترجمہ کیا جو علم الہوا نوریات ، حرارت ، طبعیات ، آلات ریاضی ، قوت مقناطیسی اور کیمیا وغیرہ پر تھے۔ یہ رسالے مختصر تھے اور اس وقت ناپید ھیں ۔

کافی عرصہ ھوا ڈاکٹر محمد شائق صاحب نے کیمیا پر ایک کتاب لکھی تھی اور بڑی محنت اور قابلیت سے کیمیائی اصطلاحیں بنائی تھیں ۔ یہ پہلی کتاب ھے جس میں انگریزی کیمیائی اصطلاحوں کے مطابق اردو میں لاحقے اور سابقے متعین کرکے اصطلاحات بنانے کا ڈھنگ ڈالا گیا تھا ۔

غدر کے مصائب نے مسلمانوں کے ذھنی قوئی کو مفلوج کردیا تھا ۔ مسلم اکابر کو ایسی عبرت ناک سزائیں دی گئیں اور علما اور فضلا کو اس طرح ڈھونڈ ڈھونڈ کر ختم کیا گیا کہ علم کا نام لینے والا باقی نہ رہا لیکن اسی دھلی میں ایک ھستی ایسی بھی تھی جو غدر سے پہلے، غدر کے دوران اور غدر کے بعد بھی عزم و ھمت کی ایک مستحکم چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رھی ۔ مصائب ، آلام اور مخالفتوں کی موجیں آئیں اور اس سے ٹکرا ٹکرا کر واپس ھوگئیں۔ سرسید کی ذات نہ ھوتی تو خدا بہتر جانتا ھے کہ آج مسلمانوں کی کیا حالت ھوتی ۔

سرسید

سرسید کی نظروں کے سامنے اسلامی اقتدار کا شیرازہ بکھر رہا تھا ۔ وہ قوم جو نو سو سال تک اپنے عظمت و جبروت کا سکہ ھندوستان کے دل پر بٹھائے ھوئی تھے ، آج بے یار و مددگار قعرمذلت کی طرف گرتی جارھی

تھی - جو خود سنبھلے ہوئے ہوں ان کو سنبھالنا کیا مشکل ہے -

مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

یہی کام سرسید اعظم نے کیا - انہوں نے سب سے پہلے تعلیم پر توجہ کی - سر سید کا خیال تھا کہ جدید علوم کی اشاعت اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ علمی کتابیں دیسی زبانوں میں ترجمہ نہ کی جائیں - اس مقصد کے پیش نظر انہوں نے سائنٹیفک سوسائٹی کو قائم کیا -

سائنٹیفک سوسائٹی

سوسائٹی کے اغراض و مقاصد میں یہ تھا کہ ہندوستان میں علم کو پھیلانے اور ترقی دینے کے لیے ایک مجلس مقرر ہونی چاہئے جو قدیم مصنفوں کی عمدہ کتابیں اردو میں ترجمہ کرکے چھاپے -

یہ سوسائٹی سائنس کے لیے مخصوص نہ تھی - لیکن اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرسید کا دماغ کس سمت مائل تھا - ایک بار اس نام پر اعتراض بھی ہوا ، لیکن سوسائٹی کی سائنسی تالیفات کی بنا پر اس کو قائم رکھا گیا -

یہ ایک حقیقت ہے کہ سرسید کو سائنس کا شوق ابتدا ھی سے تھا - چنانچہ ۱۸۴۴ ع میں انہوں نے ایک رسالہ " تسہیل فی جرثقیل " نامی علم جرثقیل پر لکھا - ۱۸۴۰ع میں ایک رسالہ "قول متین درابطال حرکت زمین " گردش زمین کے رد میں لکھا اور ثابت کرنے کی کوشش کی کہ زمین گردش نہیں کر رھی ہے - ۱۸۴۶ ع میں ایک بہت کام کا رسالہ پرکار کے استعمال پر لکھا اس کا نام " فوائد الافکار فی اعمال الفرجار " رکھا اور ۱۸۴۷ ع میں مشہور عالم "کتاب آثارالصنادید " ظہور میں آئی -

سنہ ۱۸۶۳ ع میں سائنٹیفک سوسائٹی جب قائم ہوئی تو سرسید کا یہ شوق وسیع تر ہوگیا - خود لکھنے سے زیادہ لکھوانے کا کام ہونے لگا - سوسائٹی میں چالیس علمی اور تاریخی کتابیں ترجمہ کروائیں جن میں سے تیس کتابیں زراعت ، معاشیات ، علم آلات ، طبعیات ، ریاضیات ، اور جغرافیہ کے مختلف موضوعات پر تھیں - ترجمے کے لیے جن مصنفین کا انتخاب ھوا تھا ان میں ٹوڈھنٹر کی کتابیں سب سے زیادہ تھیں -

سائنٹیفک سوسائٹی ، بہار

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سائنٹی فک سوسائٹی ایک تحریک کی صورت میں دوسری جگہوں میں بھی قائم ہوگئی تھی۔چنانچہ ۲۴ مئی سنہ ۱۸۶۸ع کو سائنٹیفک سوسائٹی ، بہار ، مظفرپور میں قائم ہوئی اور اس میں بھی تصنیف و ترجمہ کا کام بڑے اہتمام سے شروع ہوا ۔ یہاں سیاسیات، فلکیات ، جغرافیہ ، جبر و مقابلہ ، طبیعیات ، معدنیات ، علم مثلث اور فن تعمیر پر کتابیں شائع ہوئیں ۔ تالیف و ترجمہ کرنے والوں میں سرفہرست رائے سوھن لال سپرنٹنڈنٹ نارمل اسکول پٹنہ کا نام ہے جنھوں نے آگے چل کر وضع اصطلاحات کی بحث میں اہم حصہ لیا ۔ اس سوسائٹی کا بھی ایک مقصد یہ تھا کہ ” دیسی زبان کی اعلی یونیورسٹی قائم کرے ۔،،

اگر علی گڈھ میں سرسید کی اردو یونیورسٹی کی اسکیم بھی تکمیل پاجاتی تو تراجم کا سلسلہ جاری رہتا اور یہ کام مزید ترقی پاتا ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مدرسۃ العلوم علی گڈھ ان کی ساری توجہ کا حق دار بن گیا اور پھر اردو یونیورسٹی کی تجویز شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکی۔

وضع اصطلاحات کی بحث

اجتماعی کام نہ ہوسکا لیکن انفرادی کام جاری رہا۔ اس کے علاوہ کوئی اسی سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ حکومت بنگال نے دیسی زبان میں طب کی کتابوں کے ترجمے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی تھی ۔ اب یہاں یہ بحث چھڑی کہ اصطلاحوں کا کیا ہو ۔ اس کمیٹی کے دو ارکان بابو راجندر لال متر اور مولوی تمیز الدین خان بہادر نے اس مسئلے پر نہایت مدلل اور مبسوط تجاویز پیش کیں ۔ اور ان کے علاوہ رائے سوھن لال منتظم نارمل اسکول پٹنہ نے بھی اپنی تجویز پیش کی ۔ یہ تینوں حضرات اپنے وقت کے فاضل اور ماہر علم اللسان تھے ۔ گویا ان تجاویز کے لیے ان سے بہتر لوگ نہ مل سکتے تھے ۔ ان تجاویز کی تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں ہے ۔ مختصراً بحث یہ تھی کہ کن اصطلاحوں کو بغیر ترجمہ کئے

رکھا جائے ، کن کا ترجمہ کیا جائے اور کس طرح کیا جائے ، اور ترجمے کا ماخذ کیا ہو ۔ بابو راجندر لال متر ترجمے کے زبردست حامی تھے ۔ ڈاکٹر تمیزالدین خان بہادر اس بات پر متفق تھے کہ اپنی زبان کی اصطلاحات اگر مل سکیں تو ضرور اختیار کرلی جائیں ، لیکن نئے الفاظ گھڑنے کی ضرورت نہیں ہے ، انگریزی الفاظ کو بحال رکھا جائے ۔ اور سوہن لال کی یہ تجویز تھی کہ تمام ادق الفاظ نکال دئے جائیں اور ان کی جگہ عام لوگوں کے بول چال کے الفاظ داخل کئے جائیں ۔ اپنے خیالات کے جواز میں ان تینوں نے بڑی مدلل اور عالمانہ بحثیں کیں ۔ اس دل چسپ علمی مناقشے میں ایک چوتھے صاحب بھی شریک ہوئے جو علمیت میں ان تینوں میں سے کسی سے کم نہیں تھے ۔ یہ سید حسین بلگرامی تھے جو اس وقت لکھنؤ میں پروفیسر تھے اور بعد میں ریاست حیدرآباد میں ناظم تعلیمات ہوئے اور عمادالملک کا خطاب پایا ۔ انہوں نے اس پر نہایت عالمانہ اور ناقدانہ نظر ڈالی اور ایک نہایت ہی اہم مقالہ اس مسئلے پر لکھا اور موضوع کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی اور وضع اصطلاحات کے مفید اور نہایت ہی کار آمد اصول وضع کئے ۔ انہوں نے رائے سوہن لال کی تجویز کو بالکل عامیانہ قرار دیا اور اس خیال کی بھی کہ مغربی اصطلاحات کو بجنسہ قائم رکھا جائے اور ان کو دیسی زبانوں میں منتقل کرلیا جائے بڑی سخت مخالفت کی ۔ اور کہا کہ :

” اس سے ہماری زبان دوغلی ہوجائے گی ۔ اس طریقہ پر عمل کرنے سے ہمارے آئندہ پنڈت لاطینی نما ہندوستانی لکھیں گے اور ہندی نما لاطینی بولیں گے ۔ اس کا تصور مضحکہ خیز ہے ۔ ،،

انہوں نے ترجمے کو ضروری قرار دے کر اس کی مشکلات پر تفصیلی بحث کی ہے ۔ عربی ، فارسی اور سنسکرت کی خامیوں کو بیان کرکے انہوں نے اصطلاح کے لیے حسب ذیل ماخذوں سے کام لینے کی رائے دی ہے :

(۱) عربی ، فارسی ، سنسکرت اور ان مغربی اصل الفاظ سے ، جو ہماری زبان میں مروج ہیں ۔

(۲) مصطلحات سے ، جو عربی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن عام طور پر استعمال نہیں ہوتیں ۔

(۳) عربی کے مرکبات اور مشتقات سے ، جو خاص قواعد کی پابندی کے لیے وضع کئے گئے ہیں ۔

(۴) یونانی یا لاطینی‌الاصل اصطلاحوں سے ، جن میں ہماری زبان کی صوتی خصوصیات کے موافق ترمیم ہوجائے ۔

(۵) مفرد ، مشتق یا مرکب الفاظ سے ، جو فارسی سے مستعار لیے جائیں ۔

اپنی ان تجاویز کو انہوں نے مثالوں سے واضح کیا ہے ۔ اس بحث تمحیص کا نتیجہ یہ ہوا کہ گو عملی کام بہت زیادہ نہ ہوسکا لیکن نظری طور پر وضع اصطلاحات اور ترجمے کے لیے ایک واضح طریقۂ کار متعین ہوگیا ۔ اب وقت تھا کہ کوئی بڑا عملی قدم اٹھایا جائے ۔ لیکن اس کام کے لیے اب شمالی ہندوستان موزوں جگہ نہ رہی تھی ۔

حیدرآباد دکن

مسلمانوں کا عروج جب ہندوستان میں ختم ہوا تو صرف ایک جگہ رہ گئی تھی جہاں علم و فن کی قدر ہوسکتی تھی ۔ اور وہ جگہ حیدرآباد دکن تھی ۔ چنانچہ ہندوستان کے کونے کونے سے مسلمان ماہرین فن وہاں کھنچ آئے اور واقعی داد علم جو وہاں دی گئی اس کی مثال عباسیوں کے دور میں ملتی ہو تو ملتی ہو ہندوستان میں تو شاید کہیں اس کا شائبہ بھی نہیں تھا ۔

حیدر آباد موزوں ترین جگہ تھی ۔ اردو وہاں کی سرکاری اور دفتری زبان قرار پاچکی تھی ۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کو علمی زبان بھی بنایا جائے اور اس طرح جو کمی رہ گئی تھی پوری کردی جائے ۔

جامعۂ عثمانیہ

حیدرآباد میں سر اکبر حیدری، راس مسعود، مولوی عبدالحق صاحب اور ان کے ہم خیال دوستوں کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرسید کا

پرانا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے کے قریب ہوا اور جامعۂ عثمانیہ کا قیام طے پا گیا - یہ سنہ ۱۹۱۵ ع کی بات ہے - لیکن اب یہ سوال پیدا ہوا کہ جب اردو کی یونیورسٹی بنانا ہے تو سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ کتابیں ہونی چاہئیں - اس وقت معیاری درسی کتابیں اردو زبان میں موجود نہیں تھیں - اس لیے طے ہوا کہ پہلے کتابیں ترجمہ کرائی جائیں اس کے بعد تعلیم شروع کی جائے - چنانچہ سنہ ۱۹۱۶ ع میں دارالترجمہ کا قیام ہوا -

فنون یعنی آرٹس کی کتابوں کا ترجمہ تو چنداں مشکل نہ تھا لیکن سائنس کی کتابوں میں اصطلاحات کی دقت پیش آئی - یہی نہیں بلکہ زبردست معرکہ شروع ہوگیا - آج کی طرح اس وقت بھی ایسے لوگ موجود تھے جو یہ خیال رکھتے تھے کہ انگریزی کی تمام اصطلاحوں کو جوں کے توں اردو میں داخل کرلیا جائے - اس کے برخلاف دوسرے لوگ تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ اگر ایسا کیا گیا تو زبان ایک مہمل آمیزہ بن کر رہ جائے گی - بڑی بڑی بحثیں چھڑیں اور بہت داوں پیچ کھیلے گئے - اہل حکومت اس وقت بھی یہی چاہتے تھے کہ انگریزی کی اصطلاحات بجنسہ رہیں - انگریزی کا اقتدار اس وقت عروج پر تھا - لیکن اس وقت حیدرآباد میں مسلمانوں کے اعلی ترین دماغ کے لوگ جمع تھے - علمی میدان میں نواب عماد الملک ان کے رہبر اور رہ نما تھے - چنانچہ فتح ترجمہ والوں کو حاصل ہوئی اور یہ طے پایا کہ اصطلاحیں اردو میں وضع کی جائیں - نواب عمادالملک نے دارالترجمہ کی رہبری اور ہدایت کے لیے اصول وضع اصطلاحات کو دوبارہ مرتب کیا -

واقعہ ہے کہ فن اصطلاح سازی کے متعلق خصوصاً اردو میں جیسے جیسے باوقار اور مستند اہل فن و ماہرین زبان نے حصہ لیا ہے اور خیال آرائی کی ہے اس کی مثال دوسری زبانوں میں نہیں ملتی - ان ماہرین میں سر فہرست پروفیسر وحیدالدین سلیم کا نام ہے جن کی کتاب " وضع اصطلاحات ،، اس فن کی منفرد کتاب ہے -

دارالترجمه

سنه ۱۹۱۶ ع میں دارالترجمه کا قیام هوا اور وضع اصطلاحات کے لیے ایک مجلس بنائی گئی جس میں چوٹی کے اهل فن شریک کئے گئے اور یه کام شروع کردیا گیا ۔

جن اصولوں پر اصطلا حات وضع کی گئیں ان کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا هے :-

(۱) وضع اصطلاحات کے لیے ماهرین زبان اور ماهرین فن دونوں کا یک جا هونا ضروری هے تا که جو اصطلاح بنے وه زبان کے سانچے میں ڈھلی هو اور فن کے اعتبار سے ناموزوں نه هو ۔

(۲) اس کام کے لیے عربی ، فارسی ، هندی میں سے کسی زبان کا بھی ایسا ماده لے سکتے هیں جو سهل هو یعنی جو مروج اور موزوں هو ۔ الفاظ دوسری زبان کے لے سکتے هیں ۔ لیکن ان سے اشتقاق کے ذریعے جو الفاظ بنائے جائیں وه اردو صرف و نحو کے بموجب هوں گے یعنی لفظ دوسری زبان سے لیا جائے گا لیکن اس کے نحوی قاعدے نهیں لے سکتے ۔

(۳) حتی الامکان ایسے مختصر الفاظ وضع کئے جائیں جو اصل مفهوم یا اس کے قریبی معنوں کو ادا کر سکیں ۔

(۴) ترکیب میں انهی اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے جو ابھی تک هماری زبانوں میں مستعمل هیں ۔

(۵) اسما سے مصادر بنائے جائیں ۔

(۶) قدیم کارآمد اصطلاحیں برقرار رکھی جائیں لیکن جو صحیح نهیں هیں لیکن رائج هیں ، یا صحیح هیں لیکن مشتقات کے لیے مناسب نهیں هیں انهیں بدل دیا جائے ۔

(۷) ایسے انگریزی لفظ جو عام طور پر رائج هیں یا ایسی اصطلاحیں جو موجدوں یا تحقیق کرنے والوں کے نام پر رکھی گئی هیں انهیں بدستور رهنے دیا جائے ۔

(۸) بعض انگریزی اصطلاحیں جو اب جدید تحقیقات کے لحاظ سے غلط معنی دیتی هیں انهیں بالکل بدل دیا جائے ۔

اسی اصول پر کام چلتا رہا ۔ کیمیا ہیں یہ کیا گیا کہ بین الاقوامی اصطلاحوں کا ترجمہ نہیں کیا گیا ۔ انگریزی ھی میں رہنے دیا گیا اور کیمیائی علامتوں کے لیے بھی لاطینی حروف کو باقی رکھا اس لیے کہ دنیا کی ھر زبان کا اس پر اتفاق ھے ۔

حیاتیات میں پودوں اور حیوانوں کے خاندانی ناموں کو چھیڑا نہ گیا۔

دارالترجمہ نے جب انٹرمیڈیٹ کی کتابیں تیار کر دیں تو سنہ ۱۹۱۸ع میں جامعۂ عثمانیہ کا قیام ہوا ۔ یہ یونیورسٹی تیس سال کے عرصے میں اس قابل ھو گئی کہ اس میں اعلی سے اعلی تعلیم اردو میں دی جانے لگی۔

اس تیس سال کے عرصے میں دارالترجمہ نے چار سو سے زیادہ کتابیں شائع کیں جن میں سے تقریبا پونے تین سو کتابیں سائنس کی ھیں ۔ ان تراجم میں تقریباً ھر شعبہ کی مستند کتابیں موجود ھیں ۔ ان میں اکثر وہ درسی کتابیں ھیں جو عام طور پر اس زمانے میں ھندوستان کے کالجوں میں پڑھائی جاتی تھیں ۔ ان میں اکثر جدید ایڈیشنوں کی شکل میں آج بھی شریک نصاب ھیں ۔ یہ کتابیں دراصل اسی نقطۂ نگاہ سے چنی گئی تھیں کہ جامعۂ عثمانیہ کی مخالفت دوسری جامعات میں کم ھو اور اس کے اسناد کو تسلیم کرلینے میں کوئی دقت نہ ھو ۔ ان ترجموں کے لیے بیشمار اصطلاحیں وضع کی گئیں جو ھمارے پاس اس وقت موجود ھیں اور اردو زبان کا قیمتی سرمایہ ھیں ۔

بدقسمتی یہ ھے کہ اس ملک میں جامعۂ عثمانیہ کی عظمت اور اھمیت کا صحیح احساس دلوں میں موجود نہیں ھے ۔ یہاں اس کے ۳۰ سالہ کام کو نظر انداز کرنے یا اس کو بےحیثیت بنانے کی کوشش کی جاتی ھے ۔ کم لوگ ھیں جو اس یونیورسٹی کے ماھرانہ اور رھبرانہ اقدام کی صحیح قدر قیمت کو سمجھہ سکیں ۔ ایسے دور میں جب انگریزی راج کا طوطی بول رہا تھا اور انگریزی زبان کا ڈنکا ھر جگہ بج رہا تھا ، پیٹ بھرنے اور روزی کمانے کا ذریعہ بس صرف انگریزی رہ گئی تھی، یہ کہنا کہ تعلیم اردو زبان میں ھو اور اعلیٰ تر مضامین اس زبان میں پڑھائے جائیں تاکہ انگریزی کی دست نگری باقی نہ رہے بہت دلیری اور بڑی ھمت چاھتا تھا ۔ جامعۂ عثمانیہ نے حصول علم کی نئی راھیں کھولیں

اور بہ بانگ دہل اعلان کر دیا کہ فنون ہوں یا علوم ، اردو میں ہر مضمون کو ادا کرنے اور اس کو اپنانے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ جامعۂ عثانیہ کے فارغ طلبا نے یورپ اور امریکہ کی جامعات سے اعلی ڈگریاں لے کر یہ بھی ثابت کر دیا کہ اردو کے ذریعے تعلیم کسی بھی ذریعۂ تعلیم سے کم نہیں بلکہ اعلی اور افضل ہے۔

افسوس ہے کہ ہندوستان والوں کو یہ یونیورسٹی ایک آنکھ نہ بھائی۔ اس کے نام اور اس کے کام کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی گئی لیکن یہ کام ختم ہونے والا نہیں ہے۔ جامعۂ عثانیہ کی ساری کتابیں پاکستان میں موجود ہیں۔ اس کی وضع شدہ اصطلاحات کا پورا ذخیرہ بھی استفادہ کے لیے حاضر ہے ، اور صرف یہی نہیں بلکہ علوم سائنسی کو اردو میں بلا تکلف ادا کرنے والے بھی اس وقت کافی تعداد میں پیدا ہوگئے ہیں۔

اردو میں سائنسی مضامین لکھنے والے

یہ ہماری سو سالہ انفرادی اور اجتماعی کوششوں اور خصوصیت کے ساتھ انجمن ترقی اردو اور جامعۂ عثانیہ کی تحریک کا نتیجہ ہے کہ اردو لکھنے والوں میں یہ صلاحیت پیدا ہوگئی کہ سائنس کے مضامین بے تکلف لکھتے ہیں۔ انجمن ترقیٔ اردو نے سنہ ۱۹۲۸ع میں سائنس کا رسالہ جاری کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مضمون لکھنا تو کجا لوگ سائنس کے مضامین کا ترجمہ کرنے سے بھی گھبراتے تھے۔ ابتدا میں بڑی دشواری ہوئی۔ خاص خاص لوگوں سے مضامین لکھوانے پڑے۔ بعض لوگوں کو دو دو تین تین مضامین دوسروں کے نام سے لکھنے پڑے۔ مقصد یہ تھا کہ رسالہ رکے نہیں ، جاری رہے۔ اس لیے کہ یہ صرف رسالہ نہیں تھا بلکہ سائنسی مضمون نگاری کا ایک ادارہ تھا۔ جیسے جیسے وقت گذرتا گیا لکھنے والوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ جو نوجوان ۱۹۲۸ع میں معمولی مضمون لکھنے میں ہچکچاتے تھے اور تکلف محسوس کرتے تھے آگے چل کر مشاق لکھنے والے بن گئے۔ اور ترجمہ سے آگے

بڑھ کر سائنس کی کتابیں تالیف ہونے لگ گئیں۔ یہی رسالہ ''سائنس،، آج بھی زندہ ہے اور ''جدید سائنس،، کے نام سے سائنٹفک سوسائٹی پاکستان کے زیر اہتمام شائع ہو رہا ہے۔ اس رسالے نے اردو اور سائنس کی جو خدمت کی ہے اس کا اندازہ کم لوگوں کو ہے۔ اس وقت ایک نہیں متعدد سائنسی رسالے اردو زبان میں نکلتے ہیں۔ اور ہمارے روزانہ اخبارات میں بھی سائنسی مضامین بے تکلفی سے شائع کئے جاتے ہیں۔

علمی اصطلاحوں کی اشاعت

جامعۂ عثمانیہ کے علاوہ انجمن ترقیٔ اردو نے بھی اصطلاح سازی اور اس کی اشاعت میں کافی اہم حصہ لیا ہے۔ انجمن نے پرانی اصطلاحات پر نظر ثانی کرائی اور ساتھ ساتھ اصطلاح سازی کا کام بھی جاری رکھا۔ سب سے پہلے دارالترجمہ کے اشتراک سے ''علمی اصطلاحات،، شائع کی۔ اس میں طبعیات اور ریاضیات و فلکیات کی اصطلاحیں تو دارالترجمہ کی تھیں لیکن حیاتیات اور نباتیات کی اصطلاحیں خود انجمن والوں نے مرتب کرائی تھیں۔ سنہ۱۹۳۹ع میں ''فرہنگ اصطلاحات کیمیا،، شائع ہوئی اور سنہ ۱۹۵۳ع میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ سنہ ۱۹۴۱ع میں اصطلاحات طبعیات اور اس کے بعد اصطلاحات معاشیات، فلکیات اور جغرافیہ وغیرہ شائع ہوئیں اس طرح اصطلاحات کا کام رکا نہیں بلکہ جاری رہا۔

موجودہ صورت حال

آپ سوال کر سکتے ہیں کہ یہ سب گزری ہوئی باتیں ہیں، ہمیں یہ بتائیے کہ اس وقت کیفیت کیا ہے اور اردو بحیثیت ذریعۂ تعلیم آج کل کس حال میں ہے۔ تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ میں نے اب تک جو کچھ گزارشات پیش کی ہیں ان کا مقصد ہی یہ ہے کہ ناظرین کے سامنے ایک تفصیلی کیفیت آجائے کہ اردو میں اب تک کیا کچھ ہو چکا ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ ان معاملات

پر غور و فکر کرنے والوں اور رائے دینے والے اصحاب کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مسئلہ اردو کے لیے کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے - اس پر کافی غور و فکر ہو چکا ہے - اور دوسری ضروری بات یہ ہے کہ ماضی معلوم ہو تو حال سمجھ میں آتا ہے اور مستقبل کے متعلق صحیح منصوبہ تیار کیا جا سکتا ہے -

یہ تو ظاہر ہے کہ جس کام کو اردو سوا سو سال سے کر رہی ہے آج اسی کام کو انجام دینے میں اسے کوئی دقت یا رکاوٹ پیش نہیں آ سکتی- ہمارے پاس اس وقت بھی اصطلاحات کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ تمام علوم میں بی - اے، اور ایم - اے، ایم - ایس سی درجوں تک کی تعلیم به سہولت دی جا سکتی ہے- جیسا کہ اس عنوان کی ابتدا میں عرض کیا گیا ہے کہنے کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ ہمارے پاس تمام اصطلاحیں موجود ہیں اور ان میں کچھ اضافے کی گنجائش یا ضرورت نہیں ہے - جس رفتار سے علوم ، خصوصاً سائنسی علوم، ترقی کر رہے ہیں اور جس تیزی سے نئی نئی اصطلاحیں مختلف ضروریات کے تحت وجود میں آتی ہیں اور بنتی چلی جا رہی ہیں اس کے مد نظر کسی زبان کا یہ دعوی کرنا کہ اس میں ساری اصطلاحیں اور ہر قسم کی چیزیں موجود ہیں ایک دعوئی باطل ہے - اردو میں کمی ہے، جیسی کہ تمام زبانوں میں ہوتی ہے، اور اصطلاح اور ترقی کی بیحد گنجائش موجود ہے - اردو کے خادموں کو بہت تیزی اور تندھی سے کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ پرانی کمی پوری اور نئی اصطلاحوں کا اضافہ ہوتا رہے -

اسی خیال کے مدنظر کراچی یونیورسٹی میں شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ قائم کیا گیا ہے - اور اب بحمداللہ جامعۂ پنجاب نے بھی اسی قسم کا ادارہ اپنے یہاں قائم کیا ہے -

کراچی یونیورسٹی

کراچی یونیورسٹی کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں ابتدا ہی سے اردو کو متبادل ذریعۂ تعلیم و امتحان قرار دیا گیا ہے۔ امتحانوں کے پرچے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں چھپتے ہیں۔ ممتحن دونوں زبانوں سے واقف ہوتا ہے۔ طالب علم کو اس وقت اجازت ہے کہ وہ چاہے اردو، چاہے انگریزی میں جواب دے لیکن آگے چل کر یونیورسٹی مکمل طور پر اردو کو ذریعۂ تعلیم بنا دے گی۔ اس پروگرام پر درجہ بہ درجہ عمل ہونا شروع ہوگیا ہے۔

جامعاتی اور ملکی ضروریات کے مد نظر شعبۂ تالیف و ترجمہ نے اپنے ذمہ سب سے اہم کام یہ لیا ہے کہ تمام درسیات کے لیے اردو کتابیں مہیا کرنے کا انتظام اور اہتمام کرے۔ ظاہر ہے کہ درسی کتابوں کی تیاری میں خاص کر آج کل کی علمیات میں ضروری اصطلاحوں کی موجودگی اور ان کا استعمال ناگزیر ہے۔ اس لیے اس شعبے کے اہم فرائض میں سے ایک یہ ہے کہ اب تک تمام علوم میں جس قدر اصطلاحیں بن چکی ہیں اور جہاں کہیں بھی بنی ہیں ان سب کو جمع کیا جائے، جو کمی ہے ان کو پورا کیا جائے اور جہاں ضرورت ہو اصلاح اور ترمیم کی جائے، تمام اصطلاحوں کو معیاری بنایا جائے، ہر مضمون کی فرہنگ اصطلاحات الگ الگ شائع کی جائیں۔ اس کے بعد ان تمام اصطلاحوں کو یکجا کرکے ایک مکمل اور جامع اردو انگریزی لغت تیار کی جائے جس میں ادبی الفاظ کے ساتھ ساتھ اصطلاحی الفاظ بھی ہوں اور یہ صحیح معنوں میں مترجمین کی لغت ہو۔

اصول اصطلاحات

اصطلاح سازی کے لیے دہلی کالج، سائنٹیفک سوسائٹی، علی گڈھ، جامعۂ عثمانیہ، انجمن ترقی اردو وغیرہ کے علاوہ نواب عمادالملک اور مولانا وحیدالدین سلیم جیسے ماہرین فن اور ماہرین السنہ نے بھی جن اصولوں

پر اتفاق کیا تھا اور جن پر اب تک کامیابی کے ساتھ کام ہوتا چلا آیا ہے انہیں کو شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ نے بھی درست تسلیم کیا ہے اور انہیں اصولوں پر شعبے کی مختلف مجالس اصطلاحات کام کر رہی ہیں۔

یہ اصول حسب ذیل ہیں :

(۱) اصطلاح ایسی بنائی جائے جو زبان کے سانچے میں بھی ڈھلی ہو اور فن کے اعتبار سے بھی ناموزوں نہ ہو۔ یہ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب اصطلاح سازی صرف سائنس دانوں ہی پر چھوڑ نہ دی جائے۔اس کام کے لیے ماہرین زبان اور ماہرین فن دونوں کا یک جا ہونا ضروری ہے۔ ماہر فن اصطلاحات کا مطلب سمجھاتا ہے اور ماہر زبان اس کے مترادف کی موزونیت یا غیر موزونیت پر اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے۔ یہی طریقہ کامیابی کے ساتھ کام کرنے کا ہے۔

(۲) بین الاقوامی اصطلاحات کا یعنی ان اصطلاحات کا جو دنیا کی تمام زبانوں میں بجنسہ استعمال ہو رہی ہیں ترجمہ نہ کیا جائے۔

بین الاقوامی اصطلاحیں

یہاں پر یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ بین الاقوامی اصطلاحوں کے معنی انگریزی اصطلاحیں نہیں ہیں۔ یعنی انگریزی کتابوں میں جو علمی اصطلاحات استعمال ہو رہی ہیں وہ دنیا کی ساری زبانوں میں من و عن استعمال نہیں ہوتیں۔ یہ ایک بدیہی چیز ہے جس میں بحث و مباحثے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کی شہادت وہ تمام اصطلاحی لغات دیتی ہیں جو انگریزی۔ فرانسیسی ، انگریزی۔ جرمنی ، انگریزی۔ اطالوی وغیرہ ناموں سے عام طور پر دستیاب ہوتی ہیں۔ اگر سائنس کے سارے الفاظ تمام زبانوں یا کم از کم مغربی زبانوں میں ایک ہی ہوتے تو ان لغات کی ضرورت کیا تھی ؟

اس کی وضاحت حسب ذیل مثالوں سے بخوبی ہوجائے گی :—

انگریزی	جرمن	روسی (اردو میں املا)	فرانسیسی	هسپانوی
Aberration	Abweichung; Abirrung	اک‌لاپے‌نی‌یے		
Acceleration	Beschleunigung	اس‌کارےنی‌یے	acceleration	aceleracion
Acid	Saure	کیس‌لی‌یے	acide	acido
Angle	Winkel	اوگول	angle	angulo
Area	Flachenraum	پرااسترانست‌و	superficie	area
Arc	Kreisbogen	آرکا	arc	arco
Circle	Kreis	کرو ژوک	cercle	circulo
Circuit	Stromkreis	اک‌روک ؛ اک‌روژنی‌یے	circuit	circuito
Conduction	Leitung	پراوودنیک		
Density	Dichte	پلوت‌نست	densite	densidad
Equation	Gleichung	راوے نستوا	equation	ecuacion

انگریزی	جرمن	روسی	فرانسیسی	هسپانوی
Focus	Brennpunkt	فو کوس	foyer	foco
Gravity	Schwere; Schwerkraft	سیر یوزنست	gravite	gravedad
Gravitation	Massenanziehung	تیا گوتین یے	gravitation	gravitacion
Hydrogen	Wasserstoff	گید رودین	hydrogene	hidrogeno
Nitrogen	Stickstoff	نیتروگین	azote	nitrogeno
Oxygen	Sauerstoff	کیسلورود	Oxygene	Oxigeno
Radiation	Strahlung	لوچے زارنست	rayonnement	radiacion
Valve	Klappe; Ventil	کالا پان	soupape	valvula

نوٹ — چونکه روسی حروف کی طباعت کا انتظام مشکل تھا اس لیے اردو املا هی میں اس کو پیش کیا جارها هے -

اصطلاحات کی یہ تقابلی فہرست ہے تو بہت مختصر ، یعنی یہ کہ اس میں اطالوی ، فینی ، ولندیزی ، ناروی وغیرہ وغیرہ کے الفاظ کا اضافہ کیا جا سکتا تھا ، لیکن بصیرت نہیں تو کم از کم عبرت حاصل کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے ۔

دنیا جانتی ہے ، اور ہمارے ملک کے وہ لوگ جو چشم بد دور خود کو اہل الرائے بلکہ علم اور زبان کے معاملے میں '' مفتئی وقت ،، تسلیم کرانے پر مصر ہیں اس معمولی سی بات سے ضرور واقف ہوں گے کہ انگریزی اور جرمن زبانیں اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہی خاندان یعنی ٹیوٹانی سے (جس کو السانی یا Germanic بھی کہتے ہیں) تعلق رکھتی ہیں ۔ لیکن مختلف اسباب کی کارفرمائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی اور جرمن آج ایک دوسرے سے اس قدر بے تعلق ہوچکی ہیں کہ ان کے الفاظ اور اصطلاحات کے درمیان نہ کوئی شکلی مشابہت پائی جاتی ہے نہ صوتی مماثلت ۔ دوسری طرف یہ سانحہ قابل دید ہے کہ ٹیوٹانی خاندان کی یہ چہیتی بولی جب '' اینگلو سیکسن ،، اور '' مڈل انگلش ،، کے مرحلے طے کرنے لگی تو فرانسیسی ، ہسپانوی اور اطالوی زبانوں کے الفاظ اس بولی میں اتنی سرعت اور اس کثرت کے ساتھ نفوذ کر گئے کہ انگریزی، ہسپانوی ، فرانسیسی اصطلاحات میں شکلی اور صوتی اعتبار سے فرق کرنا بسا اوقات مشکل ہوجاتا ہے اور بادی‌النظر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ایک خاندان کی زبانیں ہیں ، حالانکہ اطالوی اور پرتگالی کی طرح فرانسیسی اور ہسپانوی زبانیں اس گروہ سے تعلق رکھتی ہیں جو رومانی زبانیں Romance Languages کہلاتی ہیں اور لاطینی سے مشتق ہیں ۔ رہی روسی زبان تو اس کی انفرادیت کی شان ملاحظہ فرمائیے کہ اکا دکا دخیل الفاظ کو چھوڑ کر انگریزی، جرمن، فرانسیسی اور ہسپانوی کسی زبان سے میل نہیں کھاتی ۔

روسی زبان کا تذکرہ چھوڑئیے ۔ سوال یہ ہے کہ آخر انگریزی جو جرمن کی ہم اصل ہے جرمن سے اس قدر مختلف اور جرمن انگریزی سے اس قدر بیگانہ کیوں ہے ؟ اسی سوال کا دوسرا رخ یہ ہے کہ انگریزی ، فرانسیسی اور ہسپانوی الفاظ اور اصطلاحات میں اتنی مماثلت کیوں پائی

جاتی ہے؟ من جملہ دوسرے اسباب کے جن سے یہاں بحث کرنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ گنجائش اس صورت حال کا اہم ترین سبب یہ ہے کہ جرمن بولنے والوں نے اپنے تاریخی امتیاز اور ثقافتی انفرادیت کے شعور کو ہمیشہ بیدار رکھا اور اس بیدار مغزی کے وسیلۂ اظہار کے طور پر انہوں نے اپنی زبان کی داشت پرداخت کی، اپنی فکری کاوشوں اور مسلسل لسانیاتی اجتہاد کے ذریعے اپنی زبان کو فروغ دیا ۔ جغرافیائی قربت اور سیاسی معاشی اور معاشرتی رزم و بزم کے طویل مد و جزر کے باوجود انہوں نے ہمسایہ فرانسیسی یا روسی زبان کو جرمن زبان پر فاتحانہ یلغار کرنے کی اجازت نہیں دی اور نہ ان کے ''مفتیان وقت،، نے ایسے فتوے دئے کہ جرمن بولنے والے فرانسیسی یا روسی الفاظ اور اصطلاحات کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر بے چون و چرا قبول کرلیتے ۔ اس کے برعکس انگریزی نے نہایت مفتوحانہ انداز میں لاطینی کی ''باقیات الصالحات،، رومانی زبانوں (فرانسیسی ، ہسپانوی ، وغیرہ) کے آگے سپر ڈال دی ۔ تاریخی ثقافتی اور نفسیاتی اعتبار سے انگریزی زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں کوئی انفرادیت نہیں۔ کوئی فکری امتیاز یا لسانی اجتہاد نہیں ۔ یہ ایک مغلوب اور مرعوب قوم کی زبان ہے جو تجارت اور بعد میں استعماریت اور سامراجیت کے بل بوتے پر دنیا کے چند دوسرے علاقوں میں بھی بولی اور زبردستی بلوائی جانے لگی ۔ لیکن اس امر کے باوجود علم اور فن کے میدان میں وہ جرمن اور روسی زبانوں کے آگے ہمیشہ سرنگوں ہی رہی ۔

برسبیل تذکرہ ایسے علاقوں کی ایک دو مثال پر بھی ذرا نظر ڈالتے چلئے جہاں کے باشندوں نے طویل مدت تک انگریز اور انگریزی کے سامراجی تسلط کے باوجود اپنی قومی انفرادیت اور تاریخی و ثقافتی شعور کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور اولین موقع ملتے ہی اپنی بیدار مغزی ، بالغ نظری اور سر بلندی کا ثبوت احساس کمتری کی ندامت یا معذرت کے بغیر فراہم کرنا شروع کردیا ۔ قریب ترین مثال لنکا کی ہے ۔ دوسری مثال ملایا کی ۔ ہمارے یہاں کے ان ارباب سائنس کو جو انگریزی کے مزمن عشق میں مبتلا ہیں اور خصوصاً ان کو جنہیں عربی فارسی اور بطور خاص ''اردوئے معلی،، کے نام سے ہی وحشت ہونے لگتی ہے یہ

سن کر حیرت ہوگی کہ ملایا میں سائنس اور فنیات کی بیشتر انگریزی اصطلاحوں کا نہ صرف یہ کہ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ترجمہ کیا جا چکا ہے بلکہ ان اصطلاحوں کو درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں نہایت سہولت اور کامیابی کے ساتھ استعمال بھی کیا جارہا ہے ۔ قرائت اور سماعت (ان غریب عربی الفاظ کے لیے معذرت خواہ ہوں !!) پر گراں نہ گذرے تو نمونے کے طور پر مندرجہ ذیل انگریزی اصطلاحوں کے "ملایو،، ترجمے ملاحظہ فرمائیے ۔

	Inggeris	*Melayu*
1.	atmospheric pressure	takanan udara
2.	axillary bud	tunas chelah
3.	cam	sesandal
4.	Chemical elements	unsor Kimia
5.	Chemical equation	persamaan Kimia
6.	Chemical properties	sifat Kimia
7.	centrifugal force	daya empar
8.	circuit	litar
9.	co-efficient	angkali
10.	crystallization	habloran
11.	density	ketumpatan
12.	detergent	pemberseh
13.	detonation	letusan

14. energy	tenaga
15. electrode	leterod
16. Galvanometer	jangkagalvani
17. Hydrocotyle	Pegaga
18. harmonic balancer	penimbal getar
19. inertia	kuasal
20. insulation	tebatan
21. integral	tapok
22. mass	jisim
23. matter	jirim
24. micrometer screw-guage	jangkalus tolok sekeru
25. mechanical equivalent of heat	kerja setara habe
26. modulation	menala
27. molecule	kusatom
28. momentum	lajak
29. Oxidation	pengoksaidan
30. polarity	perkutupan
31. radiation	bahangan
32. reaction	tindakabalas

33.	Scientific method	kaedah Sains
34.	Scientific names	istilah Sains
35.	structure	binaan
36.	valve	injap
37.	viscosity	kelikatan
38.	volumetric efficiency	nisbahpadu
39.	Zones	Wilayah

حیرت بالائے حیرت ! کیا ہی عجیب ماجرا ہے کہ انگریزی اصطلاحوں کے ملایو مترادفات کی اس فہرست میں ظالموں نے عربی فارسی بلکہ " اردوئے معلی "، تک کے الفاظ ٹھونس دئے ہیں !———— Chemical Elements کے لیے کوئی ترجمہ نہیں سوجھا تو unsor Kimia "عنصر کیمیا "، کردیا ! Properties کے لیے Sifat " صفات "، ' Mass کے لیے jisim " جسم "، اور Zones کے لیے Wilayah " ولایات "، ! حد یہ ہے کہ Scientific Method کے لیے " قاعدہ سائنس "، اور Scientific Names کے لیے " اصطلاح سائنس "، جیسے اردو کے پٹے پٹائے الفاظ ملایو میں بے تکلف اختیار کرلئے گئے۔ اور ہم ہیں کہ فرنگی بازار میں اردو کے کفن دفن کا سامان تلاش کرتے پھر رہے ہیں تاکہ مراقش سے لے کر انڈونیشیا تک اور جرمنی سے لے کر جاپان تک کہیں نہیں تو کم سے کم پاکستان میں تو انگریزی کی بین الاقوامیت کا بھرم رہ جائے ۔

اس لیے ضروری ہے کہ بین الاقوامی اصطلاحات کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے ۔ اس نکتہ کی وضاحت صرف مثالوں ہی سے ہوسکتی ہے ۔ مثلاً

(الف) کیمیا میں عناصر کی علامتوں کو جو دنیا کی ہر زبان میں

ایک ہی طرح رکھی جاتی ہے حسب حال رہنے دیا جائے۔

یعنی آکسیجن کے لیے O ، نائٹروجن کے لیے N ، یورینم کے لیے U وغیرہ وغیرہ ۔

(ب) حیوانیات میں فصیلہ (Order) جنس (Genus)اور نوع (Species) کے لاطینی ناموں کا ترجمہ نہ کیا جائے مثلاً معمولی مکھی کا اصطلاحی لاطینی نام *Musca domestica* ہے ۔ اردو میں بھی اس کو '' مسکا ڈومیسٹکا ،، ہی کہیں گے ۔ اسی طرح گلاب کے پھول کو '' روزا انڈیکا ،، اور نیم کے پودے کو '' ایزاڈاکٹا انڈیکا ،، کہا جائے گا۔

(ج) اشیا اور ادویات کے ناموں کا ترجمہ ضروری نہیں ہے ۔ مثلاً پنسلین ، کلورومائی سین ، کونین ، کوکین ، وغیرہ وغیرہ برقرار رہیں گے ۔

(د) کیمیا میں جن عناصر کے نام پہلے سے موجود ہیں یعنی لوھا ، پارا ، گندھک ، سونا،چاندی وغیرہ وغیرہ وہ قائم رہیں گے لیکن جدید عناصر کے نام مثلاً یورینم ، الومینیم ، منڈیلیویم ، ھیلیم ، زرکونیم وغیرہ بدلے نہیں جائیں گے ۔ گو یہ تمام نام یورپی زبانوں میں مستعمل نہیں ہیں لیکن اردو میں ان کے انگریزی ناموں کو ہی اختیار کرلیا جائے گا۔

(ھ) کیمیاوی مرکبات کے انگریزی نام برقرار رہیں گے مثلاً پوٹاشیم پرمیگنیٹ ، سوڈیم کلورائیڈ ، کاپرکاربونیٹ ، یورنیم آکسائڈ وغیرہ وغیرہ ۔

(و) جن مرکبات کے نام پہلے سے موجود ہیں وہ بھی برقرار رہیں گے مثلاً Ferrous Sulphate کو عام زبان میں سبز توتیا کہا جائے گا ۔ اس کا علمی نام فیرس سلفیٹ بھی قائم رہے گا ۔ اسی طرح سوڈیم کلورائیڈ کو اصطلاحاً سوڈیم کلورائیڈ کہیں گے ، عام زبان میں اس کو معمولی نمک کہا جائے گا ، وغیرہ وغیرہ ۔

(ز) ریاضیات میں علامات کو بدلا نہیں جائے گا مثلاً — ، + ، × ، = ، ± ، > ، < وغیرہ

متذکرہ بالا کے علاوہ باقی تمام اصطلاحوں کا ترجمہ کیا جائے گا یا ان کے مترادفات تیار کئے جائیں گے جس میں حسب ذیل اصول مدنظر ہوں گے :

۱ - اصطلاح فن اور زبان کے لحاظ سے موزوں ہو، مختصر ہو اور حتی الوسع اپنے معنی کے کل یا جزو کی اس میں نمائندگی ہو - مثلاً کیمیائی اصطلاح Valency کا اردو مترادف "گرفت" ہے جو اس اصطلاح کے مفہوم کو بخوبی واضح کرتا ہے، اسی طرح Osmosis کے لیے سرایت، Diffusion کے لیے نفوذ - Cell کے لیے خلیہ، X-Rays کے لیے لاشعائیں، Wireless کے لیے لاسلکی، Photosynthesis کے لیے ضیائی تالیف وغیرہ وغیرہ -

۲ - اصطلاح سازی میں عربی، فارسی، ھندی اور ان تمام زبانوں سے مدد لی جائے جو ہماری زبان کا لازمی جزو ہیں - ان میں سے کسی زبان کا بھی ایسا مادہ لے سکتے ہیں جو سہل اور مروج ہو - کوشش یہ ہونی چاہئے کہ عربی یا فارسی یا سنسکرت یا کسی دوسری زبان کا جو بھی لفظ استعمال ہو وہ بالکل غیر معروف نہ ہو -

۳ - حسب ضرورت ان بیرونی (یورپی) الفاظ کو بھی استعمال کیاجائے جو اردو زبان میں دخیل ہوگئے ہیں اور ان کے علاوہ ان نئے بیرونی الفاظ کو بھی اپنایا جاسکتا ہے جو اردو زبان کے مزاج کے مطابق ہوں اور اس میں آسانی سے کھپ سکیں - جب ایک بار کوئی بیرونی لفظ اردو کا لفظ بن جاتا ہے تو پھر وہ اردو کے قواعد کے تابع ہوجاتا ہے -

۴ - عربی، فارسی، اردو، ترکی، ھندی الفاظ جو یورپی زبانوں میں دخیل ہوگئے ہیں اور ان کی شکل بدل گئی ہے جب دوبارہ اختیار کئے جائیں تو ان کو بجنسہ نہیں اپنا چاہئے بلکہ ان کی اس شکل کو اختیار کرنا چاہئے جو اصل زبان میں ہے، مثلا Cable کے لیے حبل، Aludel کے لیے اصل، Betalgeuse کے لیے "ابط الجوزا"، Fomalhaut کے لیے فم الحوت وغیرہ وغیرہ -

۵ - جو اصطلاحیں قدیم سے رائج ہیں اور مفید اور موزوں ہیں وہ برقرار رہیں گی - اسی طرح جو اصطلاحیں مختلف علوم کی تیار ہوچکی ہیں ان کو مد نظر رکھا جائے گا - نئی اصطلاح کی صورت میں بھی پرانی اصطلاحوں کو ساتھ ساتھ قائم رکھا جائے گا تاکہ پرانی کتابوں کے مطالعے میں الجھن نہ ہو - جو لفظ غیر زبانوں سے لے کر قدیم زمانے میں

معرب کرائے گئے ہیں یا جو دخیل ہیں وہ اپنی حالت پر قائم رہیں۔ اصل کی طرف رجوع کرنا ضروری نہیں ہے۔

۶۔ جہاں دو یا دو سے زیادہ الفاظ کو ملا کر ایک مرکب لفظ بنانا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ دو ایک لفظ حذف کرکے اختصار پیدا کیا جائے تاکہ اصطلاحی صورت حاصل ہوجائے مثلاً برق مقناطیس (برقناطیس)، خشت طلا (خشطلا)، ہوا آمیزہ (ہوامیزہ)، مثبت برقیرہ (مثبیرہ)، منفی برقیرہ (منفیرہ)۔

۷۔ اسما سے افعال بلا تکلف بنائے جائیں۔ بدلنا، قبولنا، بخشنا، پتھرانا وغیرہ وغیرہ پرانی مثالیں ہیں۔ اسی طرح قوم سے قومیانا، برق سے برقانا وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔

۸۔ ضرورت ہو تو ہندی الفاظ کے ساتھ عربی فارسی کا جوڑ اور سابقے اور لاحقے لگائے جائیں۔ پرانے زمانے میں بے حد، با اثر، پنسورا لاچار، سمجھ دار، بے چین، اگال دان جیسے مرکب الفاظ بنائے جاچکے ہیں۔

اسی طرح فارسی اور ہندی اسما یا صفات سے عربی کے قاعدے سے اسم کیفیت بنانا پرانا طریقہ ہے۔ مثلاً یگانگت، رنگت وغیرہ۔ اسے جاری کیا جائے۔

۹۔ یونانی لاطینی اور دوسرے سابقوں اور لاحقوں کے ترجمے یا مترادفات میں یکسانیت کو ملحوظ رکھا جائے مثلاً meter کے لیے ''پیما'' scope کے لیے ''نما'' ہوگا۔ اسی طرح graph کے لیے ''نگار'' logy کے لیے ''یات''۔ oid کے لیے ''سا'' ferous کے لیے ''بردار'' genous کے لیے ''زا'' استعمال ہوگا۔ مثلاً

Thermometer کے لیے ''تپش پیما''
Electrometer کے لیے ''برق پیما''
Barometer کے لیے ''بار پیما''
Spectrometer کے لیے ''طیف پیما''
Electroscope کے لیے ''برق نما''
Hydroscope کے لیے ''رطوبت نما''

Spectroscope کے لیے ” طیف نما ،،
Spectrograph کے لیے ” طیف نگار ،،
Oscillograph کے لیے ” ارتعاش نگار ،،
Seismograph کے لیے ” زلزلہ نگار ،،
Hydrology کے لیے ” آبیات ،،
Biology کے لیے ” حیاتیات ،،
Zoology کے لیے ” حیوانیات ،،
Climatology کے لیے ” موسمیات ،،
Alkaloid کے لیے ” قلیاسا ،،
Spheroid کے ایے ” کرہ سا ،،
Crystaloid کے لیے ” قلماسا ،،
Carboniferous کے لیے ” کاربن بردار ،،
Argentiferous کے لیے ” نقرہ بردار ،،
Fossiliferous کے لیے ” رکاز بردار ،،
Chromiferous کے لیے ” لون بردار ،،
Autogenous کے لیے ” خودزا ،،

وغیرہ وغیرہ

یہ ہیں وہ اصول جن پر ابتدا سے کام ہوتا چلا آیا ہے اور آج بھی ہو رہا ہے۔ ہزاروں اصطلاحیں وضع یا ترجمہ ہو چکی ہیں اور ان کو سینکڑوں کتابوں، مقالوں اور مضامین میں استعمال کیا جا چکا ہے اور کیا جا رہا ہے۔

اب اگر اس منزل پر یہ کہا جائے کہ ان سب کو چھوڑ دینا چاہئے، بھول جانا چاہئے، اپنی دنیا الگ بسانا اور ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانی چاہئے، اصطلاحوں کی فکر ترک کر دینی چاہئے، ساری ٹیکنیکل اصطلاحیں انگریزی زبان سے ویسی کی ویسی لے لینی چاہئیں تو رائے ناچیز میں یہ مشورہ نہ قابلِ قبول ہے اور نہ قابلِ عمل اور نہ قابلِ ستائش۔

اس کے پیچھے نہ کوئی فکر ہے اور نہ کوئی اعلی تعلیمی اصول - یہ تو بس ایک راہ فرار ہے -

اصطلاح سازی یقیناً ایک مشکل چیز ہے لیکن اس کا یہ حل تو نہیں ہے کہ اسے ترک ہی کر دیا جائے اور انگریزی کی اصطلاحیں من و عن قبول کرلی جائیں - چاہے زبان کا اس سے کچھ بھی حشر ہو- اور پھر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس عمل سے زبان و بیان کی حالت کیا ہوتی ہے -

مثال کے طور پر انگریزی کتاب کی چند سطریں ملاحظہ ہوں:

ELECTROMOTIVE FORCE (Voltage)

We have already noted that when an electric current is caused to pass through a wire, its resistance opposes the current. To push the electrons through the wire some sort of force must, therefore, act upon them. Such a force which gives movement to electricity is called Electromotive Force or Voltage.

A battery contains voltage or the force which moves electricity, for when we connect the terminals with a wire a current runs through it. One of the terminals is called Positive Pole, the other Negative Pole. It is obvious from Figure 10 that in the outer wire electric current flows from the + Pole to the— Pole. Inside the battery, however, electric current flows from the—Pole towards the + Pole. Hence the electric current flows through a closed path; in other words, it comes back to the same point from where it starts. The path of the electric current is known as Electric Circuit. The electric current goes on circulating along the Circuit just as a bullock keeps on moving in a circle around an oil-press.

اس کا اس طرح ترجمہ کیا جائے کہ انگریزی اصطلاحات بجنسہ قائم رہیں تو شکل یہ بنتی ہے :-

''برقی رو کو جاری رکھنے والی قوت (Voltage)''

''ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ جب برقی رو کسی تار میں سے گزاری جاتی ہے تو تار کا رزسٹنس Resistance اس کی مخالفت کرتا ہے۔ اس لیے الیکٹرانوں (Electrons) کو تار میں سے دھکیلنے کے لئے ضروری ہے کہ ان پر کوئی قوت عمل کرے ایسی ''برق کو حرکت میں لانے والی قوت'' کو الیکٹروموٹو فورس (Electromotive force) یا وولٹیج کہتے ہیں۔

ایک بیٹری میں وولٹیج (Voltage) یا برق کو حرکت میں لانے والی قوت موجود ہوتی ہے کیوں کہ جب ہم اس کے سروں (Terminals) کو ایک تار سے ملاتے ہیں تو تار میں رو پیدا ہو جاتی ہے (شکل نمبر 10) بیٹری کے ایک سرے کو + پول (Positive Pole) کہتے ہیں اور دوسرے سرے کو — پول (Negative Pole) شکل ۱۰ سے ظاہر ہے کہ باہر کے تار میں برقی رو + پول سے چل کر — پول کی طرف بہتی ہے لیکن بیٹری کے اندر برقی رو — پول سے چل کر + پول کی طرف بہتی ہے۔ پس برقی رو ایک بند راستے میں بہتی رہتی ہے یعنی جس مقام سے چلتی ہے اسی پر واپس آجاتی ہے۔ برقی رو کے راستے کو الیکٹرک سرکٹ (Electric Circuit) کہتے ہیں۔ برقی رو اپنے سرکٹ میں بار بار گشت لگاتی رہتی ہے جیسے کولھو کا بیل اپنے کولھو کے گرد چکر لگاتا رہتا ہے۔''

(منقول از کتاب ''آواز''، مصنفہ بصیرپال)

اس مضمون کو اگر مروجہ طریقے پر لکھا جائے یعنی اصطلاحات کا حسب قاعدہ ترجمہ کیا جائے تو مضمون یہ ہوتا ہے:

برقی رو کی قوت محرکہ (وولٹیج)

''ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ جب برقی رو کسی تار میں سے گزاری جاتی ہے تو تار کی مزاحمت اس رو کی مخالفت کرتی ہے۔ اس لیے برقیوں کو تار میں سے دھکیلنے کے لیے ضروری ہے کہ ان پر کوئی قوت عمل

کرے۔ برق کو حرکت میں لانے والی اس قوت کو ''قوت محرکۂ برق،، یا ''وولٹیج،، کہتے ھیں۔

ایک مورچے میں وولٹیج یا قوت محرکۂ برق موجود ھوتی ھے کیوں کہ جب ھم اس کے سروں کو تار سے ملاتے ھیں تو تار میں رو پیدا ھو جاتی ھے۔ مورچے کے ایک سرے کو مثبت قطب کہتے ھیں اور دوسرے کو منفی قطب۔ شکل نمبر ۱۰ سے ظاھر ھے کہ باھر کے تار میں برق رو مثبت (+) قطب سے منفی(−) قطب کی طرف بہتی ھے لیکن مورچے کے اندر برق رو منفی قطب سے مثبت قطب کی طرف بہتی ھے۔ پس برق رو ایک بند راستے میں بہتی ھے، یعنی جس مقام سے چلتی ھے اسی مقام پر واپس آجاتی ھے۔ برق رو کے راستے کو برق دوریہ (یا برق حلقہ) کہتے ھیں۔ برق رو اپنے دوریہ میں بار بار گشت لگاتی رھتی ھے جیسے کولھو کا بیل اپنے کولھو کے گرد چکر لگاتا رھتا ھے۔،،

اب ذرا طبعیات کے ایک سوال کا نمونہ ملاحظہ ھو۔

Deduce the expressions for the components of the curl of a vector in rectangular co-ordinates.

اس کا ترجمہ مجوزہ طریقہ پر یہ ھے:

''Rectangular Co-ordinates میں Curl of a Vector کے Components نکالئے۔،،

اور مروجہ طریقہ پر یہ ھوگا:

''مستطیلی محددات میں سمتیہ کے خم کے اجزائے ترکیبی معلوم کیجئے۔،،

کیمیا کی بھی ایک مثال سامنے رکھئے۔ سوال ھے:

What are Enzymes? How are they classified? How do they function to bring about chemical change?

اس کا مجوزہ ترجمہ شاید یہ ھوگا کہ

''Enzymes کیا ھیں؟ ان کو کس طرح Classify کیا جاتا ھے؟ Chemical تبدیلی پیدا کرنے کے لیے یہ کس طرح Function کرتے ھیں؟،،

لیکن مروجہ اردو میں اسی سوال کو اس طرح قلمبند کیا جائیگا :
''خامرے کیا ھیں ؟ ان کی درجہ بندی کس طرح کی جاتی ھے؟ ان سے کیمیائی تبدیلیاں کس طرح واقع ھوتی ھیں ؟،،

حیاتیات کے پرچے کا ایک معمولی سوال لیجئے -

Discuss the evolution of urinogenital organs of vertebrates.

مجوزہ اردو میں اس کا ترجمہ یہ ھوگا :

'' Vertebrate کے Urinogenital orgnas کے ارتقا کو بیان کیجئے -،،

لیکن اعلی ثانوی جماعت کا ایک معمولی طالب علم مروجہ اردو میں اسی سوال کو یوں تحریر کریگا :

''فقریوں کے بولی تناسلی اعضا کے ارتقا کو بیان کیجئے -،،

ترجمہ کی مثالیں سامنے ھیں - زبان و بیان کے نمونے واضح ھیں - اب ناظرین خود فیصلہ کرلیں کہ کس طریقے پر عمل ھو- مجوزہ طریقے یا موجودہ مروجہ طریقے پر-

ریاضی

یہ تھا علوم سائنسی کا ذکر- اب آخر میں ریاضی کو لیجئے کیوں کہ یہ بنیاد ھے تمام علوم کی- اس میں الفاظ کم اور علامات اور ھندسے زیادہ ھوتے ھیں -

پہلے گنتی کے اعداد اور ھندسوں کو لیجئیے-

عمر خیام سے لے کر اب تک ھم اعداد کو ۱,۲,۳,۴,۵ خفیف شکلی تبدیلیوں کے ساتھ لکھتے چلے آئے ھیں - مثلاً یہ کہ عربی میں ۴ کو ٤ لکھتے ھیں یا ۷ کو v لکھا جاتا ھے ——————
ھماری ساری ریاضیاتی کتابیں ان ھی اعداد سے بھری پڑی ھیں - ھماری علمی ادبی اور جملہ تحریروں میں جہاں بھی اعداد کی ضرورت ھوتی ھے یہی ھندسے استعمال کئے جاتے ھیں - ھمارے بوڑھے بچے سب ان ھی اعداد کو استعمال کرتے ھیں - انہیں کوئی دقت نہیں ھوتی -

اب پاکستان بننے کے بعد یکایک یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم اب تک بڑی سخت غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور ریاضی کو غلط اصولوں پر چلا رہے ہیں ۔

عربی ہندسے

جناب ڈاکٹر عثمانی کے بیان کا حوالہ دیا جا چکا ہے کہ ”ہم کو تو خدا جانے کیا ہوگیا ہے کہ عربی کے ثقیل اور فرسودہ الفاظ تو اپنی زبان میں لینے کے لیے تیار ہیں مگر عربی کے ہندسے جو تمام دنیا نے تسلیم کر لیے ہیں یعنی ... 1,2,3,4,5 وہ چھوڑ کر فارسی کے ہندسے ۱،۲،۳،۴،۵ اختیار کر لیے ہیں ۔ذرا سوچئیے تو سہی صفر کو ایک نقطہ بنا دیا اور اعشاریہ کو ء نتیجہ یہ ہے کہ بچوں کی ریاضی کی تعلیم کی بنیادیں شروع ہی سے غلط ڈالی جارہی ہیں ۔“

یقین نہیں آتا کہ یہ بیان ڈاکٹر عثمانی صاحب کا ہوگا ۔

ہم یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ صاحب موصوف ”عربی ہندسوں“ کے مفہوم سے ناواقف ہیں ۔ ہمیں یقین ہے کہ صرف زیب داستان کے لیے انہوں نے یہ جملہ تحریر فرمادیا ہے ۔

ورنہ کون نہیں جانتا کہ

انگریزی رسم الخط کا 1,2,3,4,5,

عربی رسم الخط کا ۱,۲,۳,٤,٥,

فارسی رسم الخط کا ۱,۲,۳,۴,۵,

اور بنگالی رسم الخط کا ১,২,৩,৪,৫,

یہ سب کے سب اصطلاح میں عربی ہندسے کہلاتے ہیں ۔ اور ان پر کیا موقوف ہے اگر ہندسوں کی کوئی بالکل نئی شکل نکال لی جائے اور ان کو ۱ سے لیکر ۹ تک الگ الگ لکھا جائے تو یہ بھی عربی ہندسے کہلائیں گے ۔ لیکن اس مغالطہ میں نہیں رہنا چاہئے کہ 1,2,3,4,5, کا رسم الخط بھی عربی ہے ۔

قبل مسیح رومی تہذیب ، یونانی تہذیب اور مصری تہذیب اور قبل اسلام کے یورپ میں بھی گنتی اور تعداد کو مختلف حروف یا اشکال سے ظاہر کرتے تھے - پرانے مصری ۸۷۳۲ کو اس طرح لکھتے تھے



آج کل کے رومن ہندسے بھی اسی کی مثال ہیں - ان میں مختلف حروف کی قیمت مقرر کی گئی ہیں - مثلاً I ایک کو ظاہر کرتا ہے ، V پانچ کو ، X دس کو ، L پچاس کو ، C سو کو وغیرہ وغیرہ - رومن ہندسوں میں اسی ۸۷۳۲ کو لکھنا ہو تو اس کی شکل یہ ہوگی -

MMMMMMMMDCCXXXII

ظاہر ہے کہ ان اعداد سے ہم رقم کو لکھ سکتے ہیں ایکن ضرب ، تقسیم ، جمع اور تفریق کا عمل تقریباً ناممکن ہے -

پرانی تہذیبوں میں بابل کی تہذیب اور ہندی تہذیب کا شمار ہے - بابل میں صفر کا تصور موجود تھا - لیکن وہ اس کو ضرب ، تقسیم وغیرہ کے ریاضیاتی عمل میں استعمال نہیں کرتے تھے - لیکن اعداد کو ادھر ادھر رکھ کر وہ دھائی اور سینکڑہ کی صورت پیدا کر لیتے تھے - اس طرح اعداد کی مقامی قیمت کا رواج پڑا - بابل کی تہذیب ختم ہوئی تو یہ طریقہ بھی ختم ہوگیا -

ان کے بعد ہندوستان میں ریاضیات کے فن کو ترقی ہوئی - یہاں صفر کا تصور واضح ہوا - اور ایک سے لے کر نو تک کے اعداد کی شکلیں متعین ہوگئیں -

زمانۂ وسطی میں محمد ابن موسی الخوارزمی نے نہ صرف یہ کہ الجبرا ایجاد کیا بلکہ علم حساب اور علم اعداد میں اس نے اصلاحیں کیں - ہندوؤں کی ریاضی کا مطالعہ کیا اور ان سے اعداد لے کر ان کو عربی طرز پر رائج کیا - اس نے صفر سے ۹ تک کے اعداد پر مشتمل ایک سلسلہ ترتیب دیا -

جب مسلمانوں کا علم یورپ پہنچا تو ریاضی دانوں نے الخوارزمی کے بتائے ہوئے طریقے کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ پہلے ہسپانوی عربوں کی نقل میں ان کو "غباری اعداد" کہا گیا۔ پھر یہ اعداد اطالیہ پہنچے اور پھر فن طباعت کی ایجاد کے بعد تمام یورپ میں پھیلے اور ان کی شکل قدرے بدل گئی اور ایک دو تین چار کی شکلیں خفیف تبدیلی کے ساتھ متعین ہوگئیں۔ ان میں ایک اور ۹ کی شکل نہیں بدلی۔ ۲ اور ۳ کو انہوں نے بقدر ۹۰ درجہ گھما دیا۔ ان ہندسوں کا نام "عربی ہندسے" رکھا گیا کیونکہ وہ عربوں کے توسط سے یورپ پہنچے تھے۔ یورپ میں رومن ہندسوں کے ساتھ ساتھ عربی ہندسے چل پڑے۔ حساب کتاب میں عربی ہندسے کام آنے لگے اور رومن ہندسے مقدس کتابوں، کتبے اور گھڑیوں وغیرہ کے لیے مخصوص ہوگئے۔

ظاہر ہوا کہ عربی ہندسے، ہندسوں کے اس طرز تحریر کو کہتے ہیں جس میں ایک سے لے کر ۹ اور صفر کے اعداد الگ الگ شکلوں میں لکھے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ.... 1,2,3,4,5 تو عربی ہندسے ہیں لیکن ۱,۲,۳,۴,۵,۰۰ فارسی کے ہیں بڑی لاعلمی کی بات ہے۔

صفر

اب آئیے صفر کی طرف۔ تو یہ بھی ہر کوئی جانتا ہے کہ قدیم ہندوؤں نے صفر کے لیے ایک چھوٹا سا دائرہ بنایا تھا۔ جب مسلمانوں نے اس کو اپنایا تو دائرہ کی جگہ اس کے لیے نقطہ استعمال کیا۔ اس لیے کہ دائرے سے ملتا ہوا ہ کا ہندسہ موجود تھا۔ قلمی تحریر میں ہ کو دائرے کی شکل میں لکھ دیا جاتا ہے اور ۱ کے بعد اگر دائرہ ہو تو اسے دس نہیں بلکہ پندرہ پڑھا جاتا ہے۔ اگر دائرہ الجھن نہ پیدا کرتا تو مسلمانوں کو ہندوؤں کی نقل میں چھوٹا سا دائرہ بنا دینے میں کیا امر مانع تھا؟ یورپ میں جب مسلمانوں کے توسط سے صفر پہنچا تو یہاں ہندوؤں کا چھوٹا دائرہ تو نہیں بلکہ لاطینی لفظ Omicron سے O لے لیا گیا۔ اس لیے

کہ نقطہ کو جملہ ختم کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اور بعد میں اس کو اعشاریہ کے لیے استعمال کرنا تھا۔

اعشاریہ

اسی اعشاریہ کے سلسلے میں یہ بات واضح کرنی ھے کہ عربی رسم‌الخط میں (جس میں اردو، فارسی، سندھی، بلوچی پشتو، وغیرہ سب شامل ھیں) صفر کے لیے نقطہ استعمال ھوتا ھے۔ اس لیے اس کو اعشاریہ کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اعشاریہ کے لیے ء خواہ مخواہ یا تفریحاً نہیں استعمال ھوتا بلکہ یہ عشر کے ع کا سرا ء ھے۔ اور واضح معنی دیتا ھے۔

اب ''ذرا سوچیے تو سہی صفر کو ایک نقطہ بنا دیا اور اعشاریہ کو ء،، کا جواب تو مل گیا , لیکن ''نتیجہ یہ ھے کہ بچوں کی ریاضی کی تعلیم کی بنیادیں شروع ھی سے غلط ڈالی جا رھی ھیں،، کا جواب اس وقت دیا جا سکتا تھا جب اس بیان کی کچھ تشریح ھوتی۔ سر دست یہ بس ایک کلمہ ھے جس کی کوئی علمی حیثیت نہیں۔

کیا ابتدائی جماعت کے بچوں کو جمع کی مثال اس طرح بتانا

١٦٧٢٣
٥١٧٨٩
٦٨٥١٢ بنیادی طور پر غلط ھے اور

اس طرح
16723
51789
68512 بنیادی طور پر درست ؟

کیا آج کل کی درسی کتابوں میں یہ طریقۂ تحریر کہ ''ھمارے رسول کریم صلعم نے آج سے 1384 سال پہلے ھجرت فرمائی اور 63 سال کی عمر میں وفات پائی،،—بنیادی طور پر درست ، اور اسی کو اگر اردو ھندسوں کے ساتھ ''ھمارے رسول کریم صلعم نے آج سے ١٣٨٤ سال

پہلے ہجرت فرمائی اور ٦٣ سال کی عمر میں وفات پائی،، لکھا جائے تو یہ بنیادی طور پر غلط ہوگا ؟

محترم ڈاکٹر عثمانی نے اپنے خطبے میں سارے اعداد انگریزی میں لکھے ہیں - صفحوں کی ساری گنتی انگریزی ہی میں ہے -

ذوق سلیم، حسن طباعت، یکسانیٔ رسم‌الخط کو جانے دیجئے - میں بڑے ادب سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس . . . 1,2,3 کے جا و بیجا استعمال سے خطبے کی افادیت بڑھ گئی؟ کیا ١،٢،٣ کے اعداد صفحات کی وضاحت نہیں کر سکتے تھے؟

کیا ریاضیات میں ١٢٣٤٥ اپنے مطلب کی 1.2345 کے مقابلے میں کم وضاحت کر رہا ہے؟ کیا $\frac{1}{2}$ کی قیمت $\frac{١}{٢}$ سے مختلف ہے ؟

کیا ٦ + ٦ ÷ ٣ × ٢ = ١٠ اور 6 + 6 ÷ 3 × 2 = 10

میں کوئی فرق ہے ؟ اگر نہیں ہے تو پھر خدا را یہ بتایا جائے کہ تعلیم کی غلط بنیادوں کا نعرہ کس بنیاد پر لگایا جاتا ہے ؟

اگر کسی کا دل چاہے کہ اردو ہندسے سرے سے رہیں نہیں ، ان کی جگہ انگریزی ہندسے لے لیں تو یہ دوسری بات ہے - دل جو چاہے وہ ضرور کیا جائے لیکن اس میں اصول اور علمی بنیادوں کا ذکر کیا ضروری ہے؟ اور پھر ہندسوں ہی پر کیا موقوف ، لاطینی حروف میں کیا خرابی ہے ؟ کیوں نہ ہندسوں سے شروع کرکے لاطینی حروف پر ختم کیا جائے ؟ بہت سے لوگ یہی تو کہنے لگے ہیں کہ جب ترقی پسندوں کو اردو رسم‌الخط بدلنے میں اور لاطینی حروف کو اختیار کرانے میں کامیابی نہیں ہوئی تو اب ان کو ہندسوں اور اعداد کے چور دروازے سے داخل کیا جا رہا ہے -

ایک ہوا چل گئی ہے کہ چند افراد اردو رسم‌الخط کے ہندسوں کو سرے سے ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں - مغربی پاکستان میں درسیات کی تمام کتابوں میں اردو ہندسوں کا استعمال حکماً بند کر دیا گیا ہے - نتیجہ یہ ہے کہ ننھے بچوں کے سامنے اردو ادب اور دینیات کی کتابوں

میں بھی نمبر شمار اور حوالے ..1,2,3 ھی میں ھوتے ھیں ۔ ایک دینیات کی کتاب میں کلام پاک کے پاروں اور آیتوں کا حوالہ انگریزی اعداد میں ھے ۔ آج تک قرآن کی ایسی کتاب نظر نہیں آئی جس میں آیتیں تو عربی میں ھوں لیکن نمبرات انگریزی میں دئے جائیں ۔ بچہ کس قرآن میں ڈھونڈے گا سمجھ میں نہیں آیا ۔

اس طرح ثقافت کی حفاظت ھو رھی ھے اور علوم کی بنیادوں کو استوار کیا جا رھا ھے ۔

ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہئیے!

چونکہ بنیادی باتوں کا ذکر تھا اس لیے ریاضی کی ابتدائی باتوں سے بحث کی گئی ورنہ ضرورت ھو تو ھم ثابت کر سکتے کہ اعلیٰ ریاضی میں بھی سوائے علامتوں کے یعنی = ÷ — + وغیرہ کے جو ریاضی کی بنیادیں ھیں ھم کو انگریزی حروف کی بجنسہ نقل کرنے کی ضرورت نہیں ھے ۔ اس لیے کہ اس کا کوئی خاص حاصل نہیں ۔ تھوڑی سہولت جو ھوسکتی ھے اس کے مقابلے میں نقصانات اس قدر زیادہ ھونگے کہ یہ سودا بہت مہنگا پڑیگا ۔

انگریزی اصطلاحوں اور علامتوں کا فائدہ (؟)

محترم ڈاکٹر عثمانی نے انگریزی اصطلاحوں اور علامتوں کو بجنسہ قبول کرنے کے جواز میں ایک بات یہ پیش فرمائی ھے کہ اس سے بالکل ھی ناقابل فہم زبانوں کے مضامین کا منشا بھی سمجھ میں آجاتا ھے ، اس کی مثال انہوں نے ایک جاپانی رسالے کے مضمون سے دی ھے ۔

کسی مضمون کا صرف منشا یا عنوان سمجھ جانے سے علمی فائدہ کیا ھوتا ھے یہ ھماری سمجھ میں نہیں آیا ۔ اگر کسی مضمون میں مچھر یا مکھی کی تصویر ھو تو ھم یہ تو سمجھ جائینگے کہ یا تو متعدی بیماریوں کا ذکر ھے یا ملیریا کا بیان ھے یا مکھی اور مچھر کی سوانح حیات ھے لیکن جب تک زبان پر مہارت نہ ھو ، سمجھنے کی صلاحیت نہ ھو اس

تصویر کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے۔ آخر ننھے بچے بھی تو بڑی بڑی کتابوں کو دیکھ کر چلا اٹھتے ہیں کہ موٹر کھڑی ہے اور ہوائی جہاز اڑ رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ صاحب علم صرف اسی پر تو اکتفا نہیں کر سکتا۔

بہت سے لوگ تو رسم الخط کے بارے میں بھی یہی جواز پیش کرتے ہیں کہ اگر لاطینی حروف اختیار کر لیے جائیں تو بہت ساری مشکلات حل ہو جائیں کیوں کہ یورپ کی زبانیں اسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں۔ اگر یہی بات ہوتی تو انگریزی، فرانسیسی اور جرمن وغیرہ الگ الگ زبانیں نہ ہوتیں۔ اور خود ہم لوگ جو فارسی اور عربی رسم الخط سے واقف ہوتے ہیں عربی اور فارسی کے ماہر ہوتے۔

یوں تو بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن مناسب ہوگا کہ چند عینی شہادتیں پیش کی جائیں۔

سامنے کی تصویر ایک روسی سائنسی رسالے کے ایک صفحہ کا جزو ہے۔

اس میں یونانی حروف λ ∝ وغیرہ وغیرہ موجود ہیں۔ انگریزی حرف K بھی ہے اور پورا ضابطہ ایک معروف ضابطے کی شکل کا ہے۔ اس کے نیچے ایک رسمہ بھی درج ہے جسے گراف بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں انگریزی ہندسے بھی موجود ہیں۔

ممکن ہے کہ جس موضوع پر اس مضمون میں بحث ہو رہی ہے "واقف" شخص اس کو پہچان لے لیکن اس پہچان اور شناسائی کا حاصل کیا ہے؟ اگر روسی زبان سے واقفیت نہیں ہے تو صرف مضمون کی نوعیت کا جان لینا کس کام کا ہے؟

اسی طرح کا ایک نمونہ جاپانی اور دوسرا چینی زبان کا ہے (صفحہ ۶۶ و ۶۷)۔ ناظرین ان صفحات کے مفہوم کو اگر سمجھ سکتے ہوں تو سمجھ لیں۔ یہ ہمارے بس سے باہر ہے۔

и исследуемой жидкостью без извлечения трубки из поляриметра. Кювета термостатируется путем пропускания через окружающую ее рубашку воды из термостата.

Одной из основных задач спектрополяриметрии белка является определение λ_c, находимой из графического решения, например одночленного уравнения Друде:

$$[\alpha_\lambda] = \frac{K}{\lambda^2 - \lambda_c^2},$$

где $[\alpha]_\lambda$ — оптическая активность исследуемого вещества, λ — длина волны, при которой производились измерения; К и λ_c — постоянные. Последняя определяется разными способами [1—3]; один из принятых

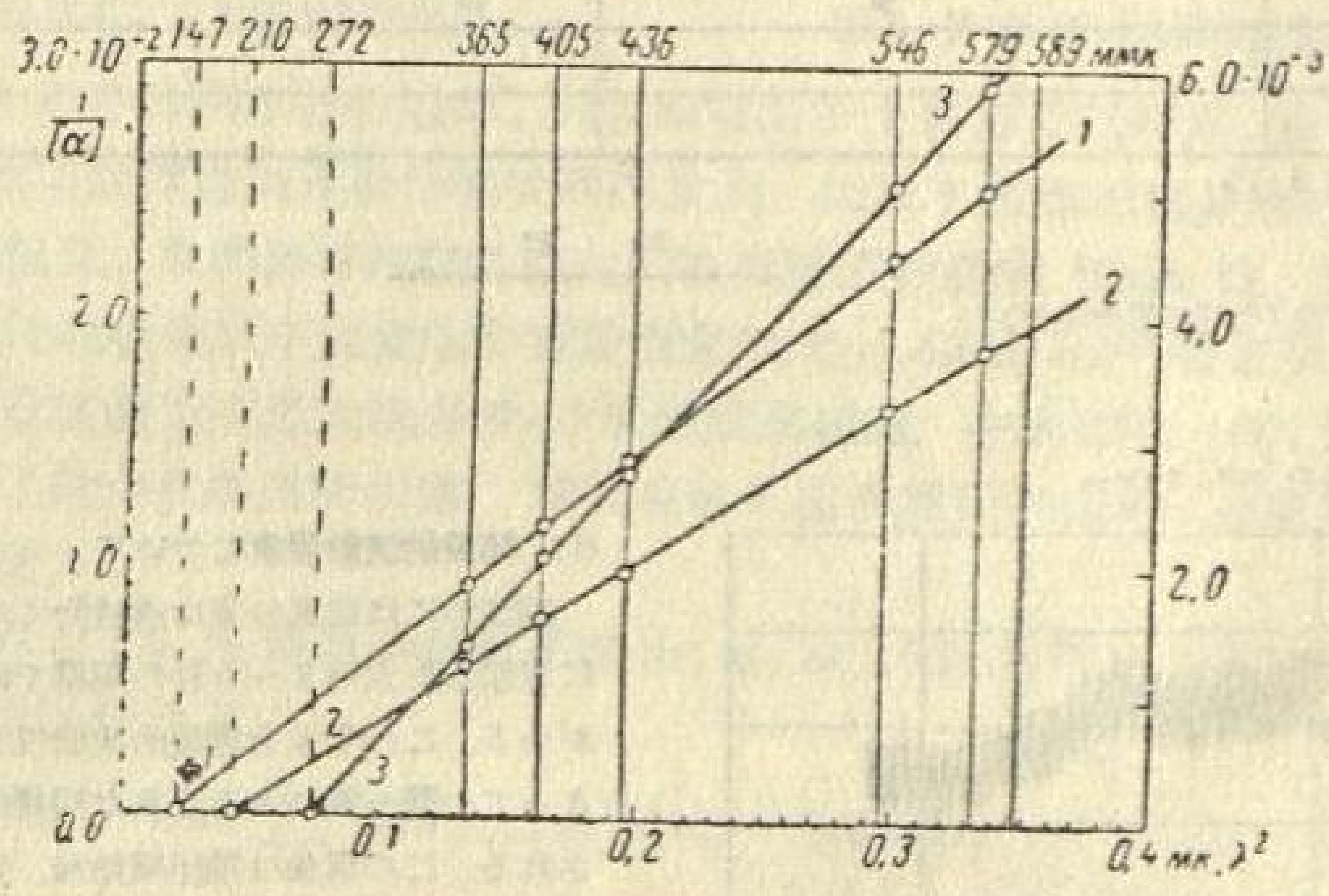


Рис. 4. Кривые дисперсии различных белков
1 — желатина (раствор стоял сутки при 20°) — λ_c 147 ммк; 2 — γ-глобулин быка — λ_c 210 ммк; 3 — яичный альбумин — λ_c 272 ммк. Измерения проведены с $C = 1\%$ и $l = 0.5$ дм

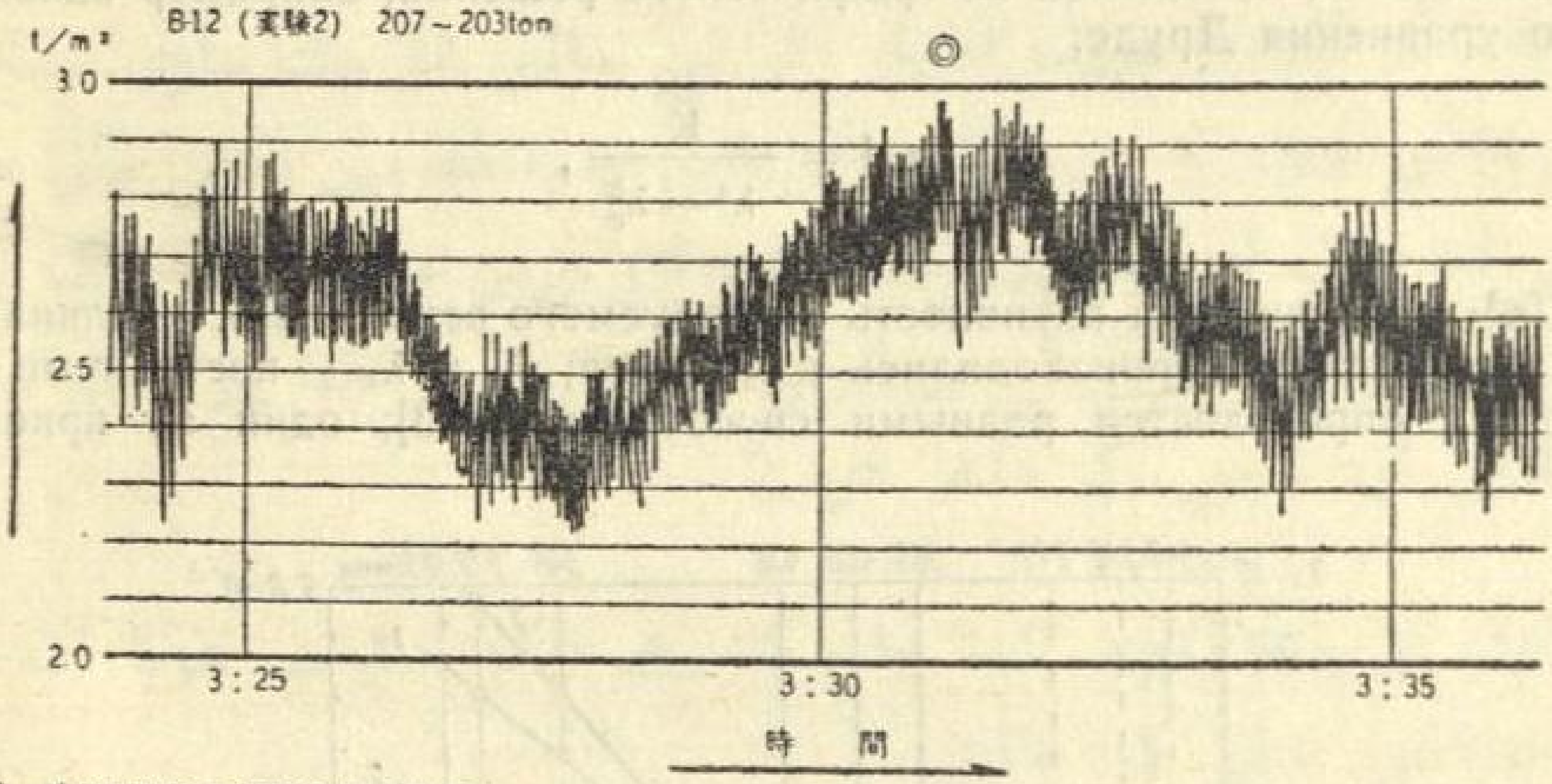
представлен на рис. 4. Здесь на оси абсцисс отложены λ^2 и по ординатам $1/[\alpha]_\lambda$, тогда наклон кривой дает величины К и точку пересечения с осью абсцисс λ_c. В свою очередь, как известно, λ_c дает возможность определять степень спирализации белка [1—4].

Как видно из формулы, для определения λ_c с допустимой ошибкой

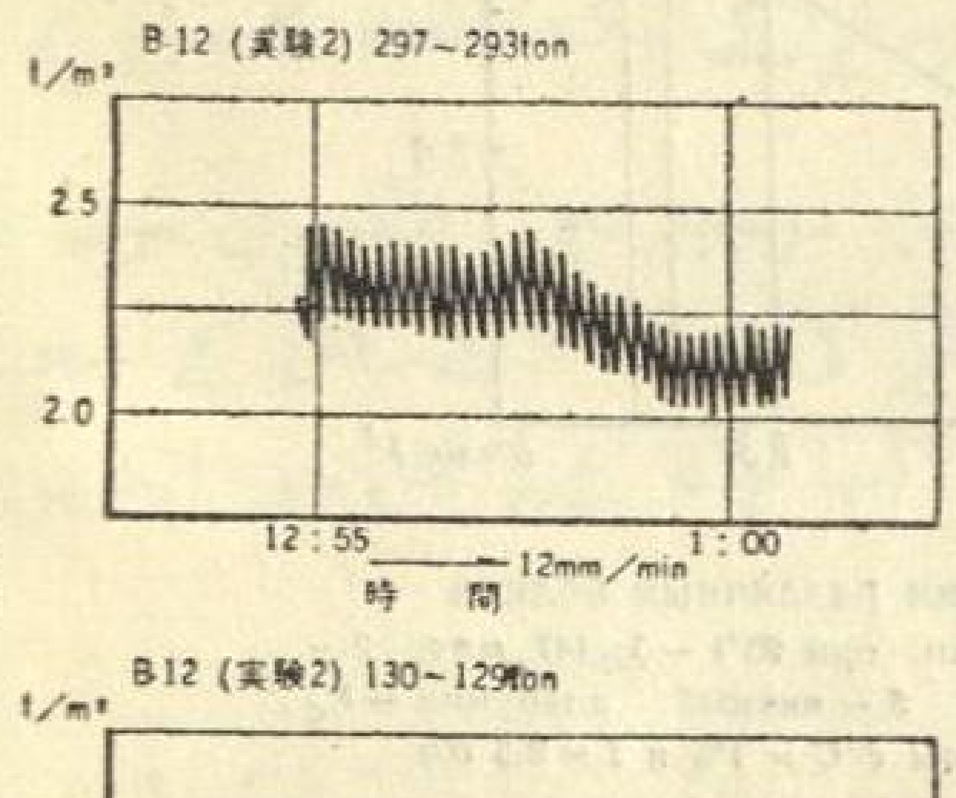
روسی سائنسی تحریر کا ایک نمونہ

って増加·減少の傾向を交互にたどりながら,全体として減少していく. サイロ中心底部は図—17に示したように

大圧力値を意味していない 図—19は自動記録計の記録から最大圧力値附近を複写したものである.



図—19 最大圧力附近 (◎印は最大圧力)



d) 階段的流動現象について

抽出時には底部の麦は連続的に流出しているが, 上部に堆積した麦は2～5秒の周期で階段的に流動する現象がある. この現象を階段的流動現象とよぶ. この現象によって, 図—20にみるような周期的な振動状波形が記録される. この現象は抽出開始後, 実験1で約48分, 実験2では約31分後に初めて現われる. 以後この階段的流動現象は極めて正確な周期で継続し, 麦のサイロ内残り重量が110～120ton になったとき, この現象は急激に消滅してしまった.

当初は流動周期は長く, 麦の重量が減少するにつれて流動周期は短くなる. 図—21はこの傾向を示したものである

جاپانی سائنسی تحریر کا ایک نمونہ

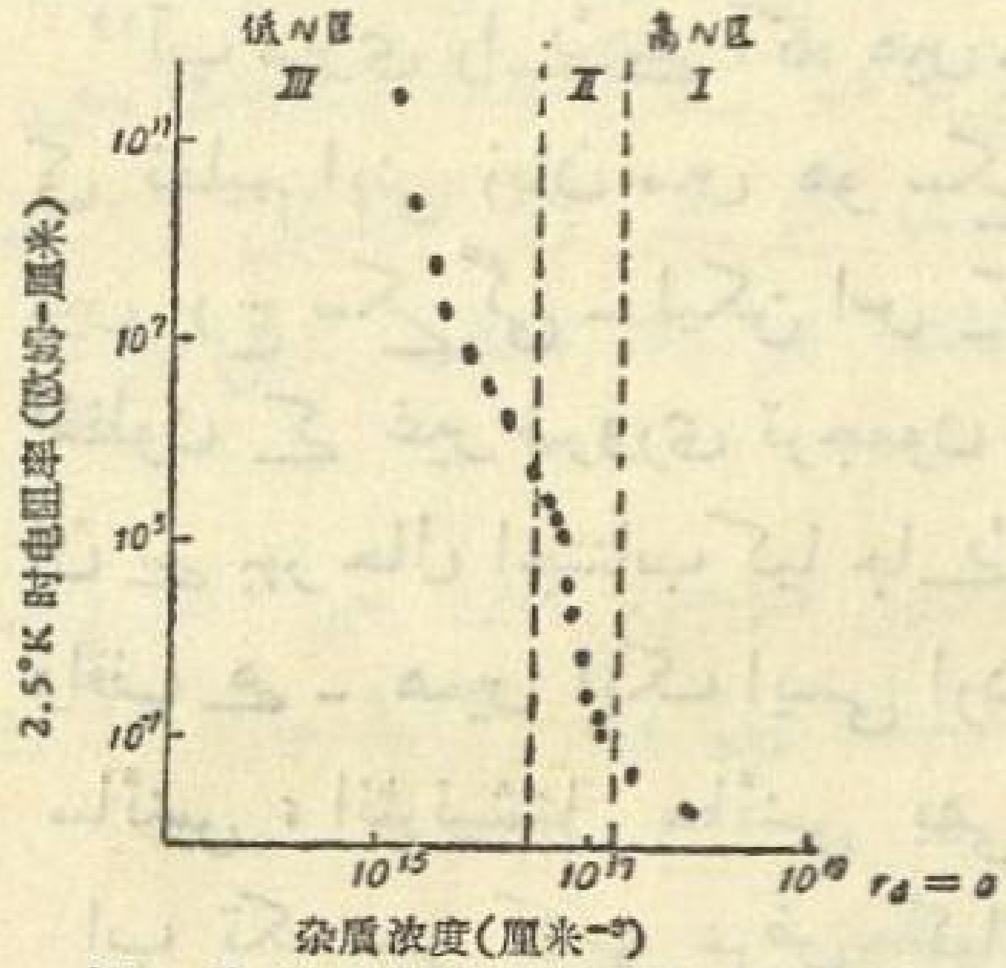


图 1 渗 Sb, Ge 在 2.5°K 电阻与浓度关系

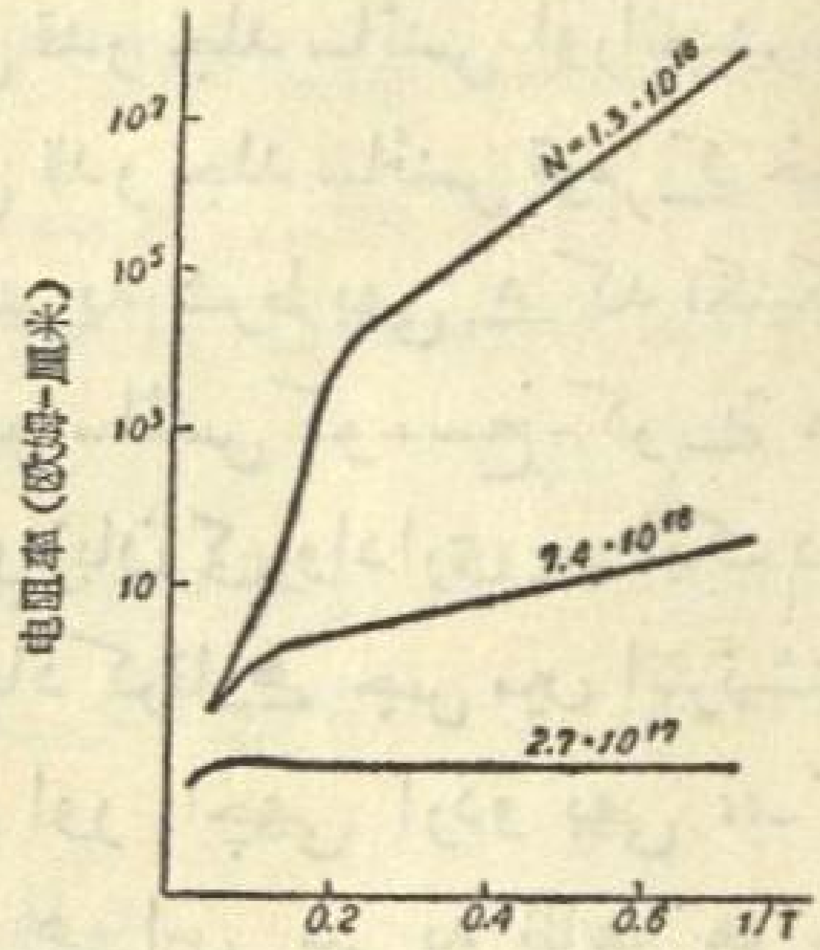


图 2 渗 Sb, Ge 电阻与温度关系

一般説来，当电声子作用不是很強时，只要所有原子上基态能量相同，由于波函数有重迭，局域波函数就不能作为对外場作微扰的出发点．如果不考虑无規分布的影响，即使电子引起周围晶格极化，我們仍可用带有极化的杂质波函数組成 Bloch 波，这就是极化子．重迭很小和极化的效果只不过使电子有效質量加大．Anderson[2] 曾証明，只有当杂質上位势起伏比能量重迭矩陣元大很多时，才能形成局域态．在补偿很小时，这种局域位势起伏主要由电离了的少数杂質所引起．因而当电子在杂質間跳跃时，必須放出或吸收声子来保証能量守恆．

取电声子作用为 H'；n, m 等为杂質原子标号；q, ω_q 分别为声子（只考虑纵向声频支）的波矢与频率，則跃迁几率

$$U_{nm} = 2\pi \sum_q |(H')_{nm,q}|^2 \delta(\omega_q - |\Delta_{nm}|), \tag{1.1}$$

其中 $\Delta_{nm} = \varepsilon_n - \varepsilon_m$ 为电子在 n 与 m 杂質上能量差，取单位使 $\hbar = 1$．利用平均距离計算 U，因而得到扩散系数 D，再用爱因斯坦公式 $\mu = \dfrac{e}{RT} D$，就得到迁移率 μ．由經典图象看来，这是由于晶格振动把电子由一处“抖”到另一处．当补偿度 $k \ll 1$ 时，少数杂質除了形成载流子外还起陷阱作用[1,5]．可以認为，只有离之較远的载流子才参与电导，因而激活能

$$\varepsilon_3 = \frac{e^2}{\varepsilon r_d} - 2\frac{e^2}{\varepsilon r_A}. \tag{1.2}$$

其中多数与少数杂質浓度分别为 N_d 及 N_A，而有 $\frac{4\pi}{3} r_d^3 = N_d^{-1}$；$\frac{4\pi}{3} r_A^3 = N_A^{-1}$，$\varepsilon$ 为介电常数．

چینی سائنسی تحریر کا ایک نمونہ

بے محل نہ ہوگا اگر یہاں پر ہم ڈاکٹر عبدالسلام کے ایک خط کا اقتباس پیش کریں۔ فرماتے ہیں:

''آپ میری رائے سے آگاہ ہیں۔ جس قدر جلد سائنس اورانجینیرنگ کی تعلیم اپنی زبان میں ہو سکے اسی قدر جلد سائنس قوم کے خمیر میں رچ سکے گی۔ لیکن اس کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ ٹکنیکل لفظوں کے غیر ضروری ترجموں سے جو سائنس کو مسخ کرتے ہیں ان سے بہر حال اجتناب کیا جائے۔اردو زبان کی رواداری سے ایک دنیا واقف ہے۔ ہمیں ایک ایسی اردو ایجاد کرنا ہے جس میں انٹرنیشنل سائنس، انٹرنیشنل سائنس بھی رہے اور اچھی اردو بھی''۔

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ جو لوگ بھی اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے لیے کوشاں ہیں اور اس سلسلے میں جدوجہد کرتے رہے ہیں ڈاکٹر عبدالسلام کے مشورے سے اختلاف نہیں رکھتے۔ یہ تو ایک امر مسلمہ ہے کہ بین الاقوامی اصطلاحات کا ترجمہ نہ ہونا چاہئے، اور ہم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ان یورپی الفاظ کو بھی جو اردو زبان کے مزاج کے مطابق ہوں اور اس میں آسانی سے جذب ہو سکیں، قبول کر لیا جائے۔ غیر ضروری ترجموں سے یقیناً پرہیز ہونا چاہئے لیکن ''ضروری'' کیا ہے اور ''غیر ضروری'' کیا اس کا تصفیہ تو خود زبان کرتی ہے۔ زبانوں کے مزاج سے کون واقف نہیں۔ اس کی جو نازبرداریاں کرنی پڑتی ہیں اس کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کو اس مزاج سے مسلسل واسطہ پڑتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی کا مشہور جملہ ہے ''زبان بھی جان رکھتی ہے، خواہ وہ ستم زدہ زبان اردو کیوں نہ ہو۔''

واقعہ یہ ہے کہ زبانوں میں بیرونی الفاظ کو زبردستی ٹھونسا نہیں جا سکتا۔ یہ الفاظ تو پہلے زبان کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں، داخلے کی اجازت چاہتے ہیں، کچھ دنوں مل کر رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر شرف قبولیت حاصل کرنے کے بعد نہایت خاموشی کے ساتھ جزو زبان بن جاتے ہیں۔ ان میں بعض ناخواندہ مہمان بھی ہوتے ہیں جو پوری کوشش کے باوجود اپنائے نہیں جا سکتے۔ غرض یہ کہ فیصلہ بہر حال

زبان ھی کے ھاتھ میں رھتا ھے۔
اس لیے ڈاکٹر عبدالسلام کا یہ کہنا کہ ھم سائنس جس زبان میں لکھیں وہ اچھی اردو بھی ھو ایک ایسا مشورہ ھے جسے اصحاب علم و فن و زبان و ادب بسرو چشم قبول کریں گے۔ ھم نے گذشتہ صفحات میں اپنی حد تک چند نمونے پیش کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ھے کہ عمدہ اور شستہ اردو میں سائنسی خیالات کر بلا تکلف کس طرح پیش کیا جاسکتا ھے۔

ویسے بحمداللہ اردو میں کافی کتابیں موجود ھیں جن کو زبان اور صحت مضمون کے لحاظ سے نمونے کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ھے۔

پرانے مصنفین

ھم کبھی ان بزرگوں کی خدمات کو بھلا نہیں سکتے جو اس زمانے میں بھی جب کہ انگریز عروج پر تھا اور انگریزی کا سکہ چرخ چہارم پر چل رھا تھا اپنی زبان میں سائنسی خیالات کو پیش کرتے رھے۔ اسلامیہ کالج ، پشاور کے پروفیسر منہاج الدین مرحوم کی خدمات کو کون فراموش کرسکتا ھے ۔ علیگڈھ کے پروفیسر فیروزالدین مراد اور جامعۂ عثمانیہ کے اساتذہ ، مولفین ، مترجمین اور وہ تمام لوگ جو سائنسی علوم کو اپنی زبان میں فخریہ پیش کرگئے ھمارے لیے مشعل راہ کا کام کر رھے ھیں ۔

نئی کتابیں

پرانے مولفین کی نادر اور مستند کتابوں کے ساتھ ساتھ آجکل کے بعض مصنفین کی کتابوں کا خیال آتا ھے تو ایک پریشانی سی طاری ھوتی ھے۔
ابھی حال حال میں لاھور، پشاور اور کراچی بورڈ کی سائنسی اور فنی کتابوں کو دیکھ کر ایک طرح کی حیرانی اور مایوسی طاری ھوئی ھے ۔ کتابیں کیا ھیں کہ معلوم ھوتا ھے ایک نمونۂ چاہ بابل ھیں ۔ بھانت بھانت کی بولیاں ان میں سے نکل رھی ھیں ۔ ادبی زبان اور بیان کے متعلق تو وہ لوگ کہہ سکتے ھیں جو ادیب ھیں اور ادب سے واقف ھیں لیکن

جہاں تک سائنسی زبان کا تعلق ہے وہاں حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اصطلاحوں کی وہ گت بنائی گئی ہے کہ بیچارے عمادالملک اور وحیدالدین سلیم کی ہڈیاں قبروں میں بیچینی کے ساتھ کروٹ بدل رہی ہونگی۔

ایسے ایسے الفاظ جن کے مترادفات اردو میں موجود ہیں اور سالہا سال سے بلا تکلف استعمال ہو رہے ہیں، ان کو ترک کرکے یا تو انگریزی الفاظ ہی کو اردو میں لکھ دیا گیا ہے یا خود اپنی طرف سے کوئی اصطلاح بنادی گئی ہے۔ اس میں قاعدہ ضابطہ سے کوئی بحث نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، کیمیا میں Valency کو ''گرفت،، کہا جاتا ہے جس سے اس کا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن نئی کتاب میں ویلنسی ہی لکھا ہوا ہے۔ واللہ اعلم کیوں۔

اسی طرح نوریات کی جگہ اوپٹکس، ہندسی مناظر کی جگہ جیومیٹریکل اوپٹکس، اور طبعی کی جگہ فزیکل کا لفظ بلا تکلف استعمال کیا گیا ہے۔ اور ایسی مثالیں بیشمار ہیں۔ اور پھر یہ نہیں کہ ہر کتاب میں یہی اصول ہے۔ نہیں، ہر مولف اپنا خاص اصول رکھتا ہے۔ وہ ایک اصطلاح کو پسند کرتا ہے تو رکھ لیتا ہے، دوسرا مصنف اسی کو ناپسند کرتا ہے اور رد کر دیتا ہے۔ گویا ان میں کا ہر شخص اپنے کو ماہر فن اور وضع اصطلاحات میں حکم تصور کرتا ہے۔

اس طرح جو افراتفری اور لسانی بدنظمی پھیل گئی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ ابھی ابتدا ہے، اس کی فوری اصلاح ہو سکتی ہے۔ ہر صاحب قلم کو اس کا تو ضرور حق ہونا چاہئے کہ وہ اپنی مرضی کی کتابیں لکھے لیکن اس کو اس کی اجازت نہیں ملنی چاہئے کہ وہ خواہ مخواہ اصطلاح سازی کرنا شروع کرے یا بنی بنائی اصطلاحوں کو بے وجہ ترک کردے۔

ان تمام اداروں کو جو اس وقت کتابیں لکھنے یا لکھوانے میں مصروف ہیں اس کی سخت نگرانی کرنی ہے کہ درسی کتابوں میں صرف وہی اصطلاحیں استعمال ہوں جو چل رہی ہیں یا جو ان اداروں نے بنائی ہیں جن کے ذمے یہ کام ہے اور جو اس کو اچھی طرح سمجھتے بھی ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر ہر شخص اپنی من مانی کریگا۔ اس سے زبان

کا جو حشر ہوگا وہ تو معلوم ہے لیکن بچوں اور آئندہ نسلوں پر جو آفت آئے گی وہ ناقابل بیان ہے۔

ایک مرکزی ادارے کی ضرورت

اس وقت پاکستان میں مختلف ادارے اپنی اپنی ضروریات کے لحاظ سے اصطلاح سازی میں مشغول ہیں۔ کراچی یونیورسٹی کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کا شعبۂ تالیف و ترجمہ بھی اصطلاح سازی میں مشغول ہے۔ عثمانیہ کی اصطلاحیں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ انجمن ترقی اردو نے بھی اصطلاحات کی کتابیں شائع کی ہیں۔ اور سائنٹفک سوسائٹی پاکستان بھی اس کام کو حسب ضرورت کرتی رہتی ہے، خصوصاً اس کے رسالے ''جدید سائنس،، میں پابندی کے ساتھ مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں جن میں مختلف عنوان کے تحت کافی تعداد میں اصطلاحیں شائع ہوتی ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اصطلاحوں میں یکسانیت ہو اور بحیثیت مجموعی ان پر اتفاق ہو اور یہی اصطلاحیں ہر جگہ استعمال ہوں۔ اس خیال پر عمل کا صرف ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ ایک مرکزی ادارہ ہو، سرکاری یا غیر سرکاری، جس کے ذمے یہ کام رہے کہ تمام اداروں کی تیار کردہ اصطلاحوں کو جمع کرے اور ماہرین کے مشورے سے طے کرے کہ کون سی اصطلاحیں قابل قبول ہیں۔ اگر یہ ہوگیا تو میں سمجھتا ہوں کہ ہماری بہت بڑی مشکل آسان ہو جائے گی۔

ایسے ادارے کو وجود میں آتے آتے شاید کچھ دیر لگے۔ اور یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ہماری کتابیں اس کے انتظار میں رکی نہیں رہ سکتیں۔ اس لیے میں گذارش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں کہ جب تک اس قسم کا ادارہ قائم نہ ہو اگر مصنفین و مولفین کراچی یونیورسٹی کی اصطلاحوں کو شرف قبولیت عطا فرمائیں تو اس میں کوئی نامناسب بات نہ ہوگی۔

یہ بالکل ممکن ہے کہ یہاں جو اصطلاحیں تیار ہوئی ہیں ان میں سے بعض قابل قبول نہ ہوں۔ ان کی نشاندھی فرمائی جائے۔ ہر ادارہ اس کے لیے تیار رہتا ہے کہ اگر اس کی غلطی بتائی جائے تو وہ اپنی اصلاح کرلے۔

کراچی یونیورسٹی کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں تعلیم اردو میں بھی دی جاتی ہے اور تمام علوم کی اصطلاحیں یہاں درس و تدریس میں مسلسل کام آتی رہتی ہیں - اس لیے کراچی یونیورسٹی کا شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ ہر وقت دوسروں کے بھی کام آسکتا ہے - حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک طرح کا مشاورتی ادارہ تمام اہل علم کے لیے ہے جس سے ہر قسم کا مشورہ اور امداد لی جا سکتی ہے - یہاں اصطلاحوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جو کہیں اور مشکل سے دستیاب ہوگا - مصنفین اور مولفین کو دعوت عام ہے کہ وہ ضروری اصطلاحیں بلا تکلف طلب فرمائیں - اور اس طرح ممکن ہے کہ علمی کتابوں کی زبان میں ایک حد تک یکسانیت پیدا ہو جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اب نظری مباحث میں پڑنے کے بجائے عملی قدم پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے - منزل مقصود متعین ہے - ہمیں یقین کامل ہے کہ یہ رسالہ اس کے حصول میں رہبری کر سکے گا -

کتابیات

(۱) پاکستان میں سائنس کی جد و جہد
از ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی

(۲) مرحوم دہلی کالج
از مولوی عبدالحق

(۳) اردو زبان میں علمی اصطلاحات کا مسئلہ
از مولوی عبدالحق

(۴) حیات جاوید از الطاف حسین حالی

(۵) انجمن ترقیٔ اردو کی کہانی
از غلام ربانی

(۶) مسئلہ تعلیم سائنس
از آفتاب حسن

(۷) اخبارلاخیار از خواجہ احمد فاروقی ، (معارف ، اعظم گڑھ
نومبر ۵۵ع)

(۸) نامیاتی کیمیا پر ایک درسی کتاب کی تالیف کا آغاز
از ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی

(۹) طبعی اور کیمیاوی اصطلاحات پر ایک تنقیدی نظر
از ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی

(۱۰) Aims and Objects of University
تقریر ، میاں محمد افضل حسین

(۱۱) سائنٹیفک سوسائٹی
از مولوی عبدالحق (۱۹۳۵ع)

(۱۲) صفر کی اہمیت اور اس کی ایجاد
از حسن الدین احمد
(جدید سائنس ، جلد ۷ ، شمارہ ۳)